

غالب شناس مالک رام

ڈاکٹر گیان چند

ادارۂ یادگار غالب کراچی



PDF By : Meer Zaheer Abass Rustmani

Cell NO : +92 307 2128068 - +92 308 3502081



پی ڈی ایف (PDF) کتب حاصل کرنے اور واٹس ایپ گروپ «کتاب کارنر»
میں شمولیت کے لیے مندرجہ بالا نمبرز کے واٹس ایپ پہ رابطہ کیجیے۔ شکریہ

غالب شناس مالک رام

ڈاکٹر گیان چند

ادارۂ یادگار غالب
کراچی

سلسلے مطبوعات ادارہ یادگار غالب

شمار: ۳۵

طبع اول :	۲۰۰۲ء
طابع :	احمد یونس، ناظم آباد، کراچی
تعداد :	پانچ سو
قیمت :	ایک سو چالیس روپے

☆

ادارہ یادگار غالب

پوسٹ بکس نمبر ۲۲۶۸

ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

☆

غالب لائبریری

دوسری چورنگی۔ ناظم آباد نمبر ۲

کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست

پیش لفظ - ۷

پہلا باب : تمہید - ۱۰

دوسرا باب : طبع زاد کتابیں - ۱۷

۱۔ ذکر غالب - ۱۷

۲۔ انگریزی کی کتابچہ مرزا غالب - ۳۶

۳۔ ۱۵۷۷ء غالب - ۳۷

تیسرا باب : مضامین - ۳۶

۱۔ ”نوہ صورتیں الہی“ کا ایک مضمون - ۳۸

۲۔ نسا کا غالب - ۵۱

۳۔ گلستا کا غالب - ۶۳

۴۔ ”حقیقی مضامین“ میں غالبیات کے مضامین - ۷۳

۵۔ مجموعوں کے باہر حفرق مضامین - عقدا مات۔ انگریزی مضامین - ۷۶

چوتھا باب : تدوین اور ادارت - ۸۶

فاری

۱۔ سہد بچن - ۸۶

۲۔ دشتیو۔ ۸۸

۳۔ کلیاتِ نغم غالب (غیر مطبوعہ)۔ ۹۲

اردو قاری مشترک :

کلیں رحمت۔ ۹۳

اردو :

۱۔ دیوانِ غالب۔ ۱۰۰

۲۔ خطوطِ غالب۔ ۱۱۲

۳۔ میاں غالب۔ ۱۳۹

۴۔ یادگارِ غالب۔ ۱۴۰

پانچواں باب : مجموعی جائزہ۔ ۱۳۳

کتابیات۔ ۱۳۹

انتساب

آج کے سب سے بڑے ماہرِ غالبیات

کالی داں گیتارضا

اور

نہایت دقیق و جامع تحقیق کے خُو گھر

ڈاکٹر حنیف احمد نقوی

کے نام

اس کتابچے کی تصنیف میں جب بھی کسی شخص سے مدد چاہی ہو، کالی داں گیتا کے پاس دوڑا ہوا کیا اور اپنی مشکل کامل کرالیا۔

حنیف نقوی کو میں نے چھ سال پہلے ملا ہے۔ اس کتابچے کی تیاری میں اس کے مجموعہ مضامین ”غالب و حوالہ آواز“ سے مجھ کو کتاب کیا دیا اس کی ”گروہ دھما“ ہے جس کا اے علم نہیں۔

پیش لفظ

غالب آئینہ نئی دہلی نے طے کیا کہ ممتاز ماہر غالبیات مالک رام کے نام پر ہر سال کوئی خطبہ دلایا جائے۔ یہ مالک رام کے اختصاص کے کسی بھی موضوع پر ہو سکتا ہے لیکن پہلے سال کے لیے تجویز کی گئی کہ افتتاحی خطبہ خود مالک رام ہی پر ہو۔ معلوم نہیں کس طرح اس اعزاز کا قرعہ قائل مجھ دیوانے کے نام پر نکلا۔ چونکہ مجھے ان کی جناب میں ایک قرب نیاز مندی رہا ہے، اس لیے میں اپنی بے بھاضی کے باوجود انکار نہ کر سکا۔ بے بھاضی اس معنی میں ہے کہ مالک رام کی شخصیت کا ہم ۲۰۰۰ء غالبیات میں ہے۔ ان پر شکوکو کئی ہو تو بات لامحالہ غالبیات تک پہنچے گی۔ غالب صدی کے طفیل میں میں نے غالب پر کچھ لکھا پڑھا، غالب کے کلام اور سوانح کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کیں، لیکن میں غالبیات کے خواص کا عرفان نہیں رکھتا۔

میں نے جب مالک رام کی غالبیات کی تحریروں کا جائزہ لینا شروع کیا تو کئی جگہ الجھنوں سے دوچار ہوا۔ کتابیں پڑھیں، رسالوں کے مضامین دیکھے، لیکن اصل ذرائع میری دسترس میں نہ تھے اس لیے بعض گفتگوں نہ کچھ سکھیں۔ رشتہ دار ہونے کے بعد میں گھنٹوں میں کتب خانوں سے دور ہو گیا ہوں۔ یہاں تحقیقی کتب کا کوئی اچھا کتب خانہ ہے۔ بھی نہیں۔ میرے لیے بہل راستہ یہی تھا کہ کالی راس گپتا رحا سے استفادہ کروں

مالک رام کے بعد نسل میں وہ چوٹی کے بلبر غالبیات ہیں۔ میں نے بار بار ان سے مشورہ کیا اور مسلسل مراسلت کے ذریعے اپنے شکوک کا ازالہ کیا۔

میں نے مالک رام کے قلمی آثار کا تنقید سے زمروں میں جائزہ لیا ہے:

- ۱۔ طبع زاد کتابیں۔ ۲۔ مضامین کے مجموعے اور متفرق مضامین۔ ۳۔ غالبیات کی تدوین۔ ۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ میں نے ایک طویل مضمون "مالک رام بحیثیت بلبر غالبیات" لکھا تھا۔ اس کے بعد غالبیات پر مالک رام کی کئی کتابیں آئیں۔ یہ لیکچر قلم بند کرتے وقت میں نے مندرجہ بالا پہلے دو زمروں میں اپنے سابقہ مضمون سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، اور سو لکھا لیکن تدوین ۱۰۔ جسے میں خطوط غالب اور دوہان غالب مرثیہ مالک رام کے بارے میں تحریر یا سب کچھ اسی مضمون سے لیا ہے، بقیہ پورا کتابچہ نئی تصنیف ہے۔ مجھے امید ہے کہ مالک رام نے غالبیات میں جو کچھ لکھا ہے، اس کی ہر فصل اور ہر عنوان کے بارے میں اس کتابچے میں کچھ نہ کچھ ملے گا۔ لیکچر ۱۵۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو دیا گیا۔

۱۹۷۸ء کے مضمون کو لکھتے وقت میں نے مالک رام کی جملہ کتب غالبیات نو دیکھا تھا۔ اب دوبارہ دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ بہت کچھ تو میرے پاس تھیں، بقیہ کے لیے دوستوں کا منہ دیکھا۔ ان میں سے بعض مثلاً "گل رعنا" اور "دستیو" کا علم علی خاں سے ملیں، چار کتابیں کالی داس کپتا کے بے نظیر ذخیرے سے سبھی سے منگائیں، ان میں کمباب "سہو چین" بھی تھی۔ ۱۹۷۸ء میں یہ سب کتابیں میرے مطالعے میں رہی تھیں۔ میں ان دونوں خطرات کا شکر گزار ہوں، خصوصاً کالی داس کپتا و رضا کا جن سے اس موضوع کے بارے میں مسلسل تبادلۂ خیالات رہا۔ عزیز یی زاکٹر ضیف احمد نقوی کے مجموعہ مضامین "غالب، احوال و آثار" (نکستہ ۱۹۹۰ء) سے بھی کافی استفادہ کیا۔

اس خلیے کے لیے غالب اکیڈمی کے جن ارباب حل و عقد نے مجھے منتخب کیا، میں ان سب کا مشکور و ممنون ہوں۔ کہیں بہتر ہوتا کہ پہلے لیکچر کے لیے کسی ممتاز بلبر غالبیات کو دعوت دی جاتی۔ شاید میں سامعین و قارئین کی توقعات پوری نہ کر سکوں۔ مختصر مدت، مختصر صفحات اور مختصر طبیعت کے ہوتے بھی کچھ ممکن تھا۔ آپ اسے عالمانہ

کارنامہ نہ کیجیے جو یہ ہرگز نہیں ہے، بلکہ اسے ملک رام کی خدمت میں ایک عاجزانہ
خراج تحسین و ارادت کچھ کر قبول کیجیے۔

لکھنؤ، ۷ مارچ ۱۹۹۵ء

گیان چند

پس نوشت :

مجھے بے حد خوشی ہے کہ پاکستان میں میری یہ کتاب ادارہ یادگار غالب کی طرف سے
شائع ہو رہی ہے۔ میں اس کے لیے ادارے کی صدر محترمہ شکمہ جی، ملک کا دل سے
شکر گزار ہوں۔

گیان چند

۲۲ اکتوبر ۲۰۰۱ء

نیواڈا امریکن

امریکہ

پہلا باب تمہید

محترم بزرگ مالک رام سے میرے نیاز و محبتانہ مراسم اواخر ۱۹۶۵ء میں شروع ہو کر ان کے دم آخر تک رہے۔ ان کے لود میرے بچہ پیارہ رابطہ جس طرح کا تھا۔ اسے یاد کرتا ہوں تو آج بھی عرقِ غداست سے شرابور ہو جاتا ہوں۔ ہوا یوں کہ مالک رام صاحب کا مرضہ دیوان غالب، آزاد کو کتاب کمر دہلی سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوا۔ اس میں غالب سے منسوب وہ غزل بھی شامل تھی جس کا مقطع ہے:

ہزار سال غلب سے کش کرے گا کیا

بھوپال میں حزیں جو دودن قیام ہو

میں دنوں میں سید یہ کالج بھوپال میں ملازم تھا۔ وہاں جیسے اس غزل کے مصنف اصلی کا نام معلوم ہو گیا، ان سے ملاقات ہوئی اور وہ اس کو سنکر یں دیکھی جس میں یہ غزل ”نور علی غزل“ کے عنوان سے چھپی تھی۔ وہاں سے یہ غزل ”دین و دنیا“ دہلی میں اور ”پلڑ“ دہلیوں ”لاہور“ پر پریل ۱۹۳۹ء میں نقل کی گئی۔ سب سے آخر میں یہ ”دیوان غالب نسخہ مرثی“ میں شامل ہوئی، لیکن مرثی صاحب نے نوٹ لکھا کہ انھیں اسے کام غالب مانتے ہیں بے حد تاثر ہے (طبع اہل ۱۹۵۸ء ص ۲۹۱)۔

مالک رام صاحب نے اپنے مرضہ دیوان میں ایسا کوئی نوٹ نہیں لگایا تھا۔ وہی یونہی مرثی کے دوسارے ”اردوئے معلیٰ“ غالب نمبر کے لیے مجھ سے ایک مضمون لکھنے کی فرمائش کی گئی۔ میں نے اسی غزل کے چہرے سے خطاب اٹھایا۔ صبح میں کوئی ہرج نہیں، لیکن وہ جہدِ یب اور نری کے ساتھ کی جانی چاہیے۔ میری کم عمری اور کم عقلی کا زمانہ تھا (اب بھی کون سا عقل ہوں) کسی نے مجھے چڑھا بھی دیا تھا، میں نے غزل کی حقیقت افشا کرنے میں

آداب کو ملحوظ نہیں رکھا اور چند طور پر جھٹلے لکھ دیے۔

کہا جاتا ہے کہ علم میں بھی خسر ہوتا ہے۔ جس کا علم کیا ہو، اُسے معلومات کا ایک پارہ مل جائے تو اس پر کبھی شراب کا اثر ہوتا ہے۔ میں نے تو جوانوں کو دیکھا ہے کہ تحقیق و تنقید کی بحثوں میں فرقہ وارانہ کو ملحوظ نہ کر کے چار حیت پر اتر آتے ہیں۔ انسانی جوانی بروہاری اور خاکساری سے واقف نہیں ہوتی۔ یہ نہائی تو سال خوردگی کے بعد ہی نصیب ہوتی ہے۔ چہ بے کولہدی کی کانٹھ مل جائے تو خود کو پنداری کہنے لگتا ہے۔ کہاں مالک، رام جیسا بھلا، نااہلیات، کہاں میں مٹ پر نبیلا، چور و مردہ کہاں شمع آفتاب کہا۔ اس نازل پر گستاخانہ تحریر ہی پر کیا انکب بدامت چکاؤں، میں تو پست کر ب اپنی طویل عمر رفتہ پر نظر دوڑاتا ہوں تو یہ جماعتوں اور غلطیوں کی زنجیر دکھائی دیتی ہے جس کے ہر حلقے کو دیکھ دیکھ کے میں منتقل ہوتا ہوں لیکن میں چالیس سال کے جسم میں ۷۰ سال قلب و ذہن تو نہیں رکھا جاسکتا تھا۔

میرے پاس اس صحیحی تحریر کی کوئی نقل نہیں، صحیح زمانہ تحریر یاد نہیں، میں نے اپنے مضامین کی فہرست میں اسے شامل نہیں کیا۔ مالک، رام صاحب نے اس پر ”فکر و نظر“ میں ایک طویل جوابی مضمون لکھا تھا۔ انھوں نے صفحہ بزرگانہ سے کام لیتے ہوئے دنا سا اپنے کسی مجموعے میں شامل کیا، نہ مضامین کی فہرست میں چکے دی۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے اپنے دولت خانے پر مالک، رام صاحب، لیکن ناتھ آزاد صاحب اور مجھ غریب شہر کو مدعو کیا۔ مالک، رام صاحب سے پہلی بار نیاز حاصل ہوا۔ میں محبوب تھا، لیکن مالک، رام کی محنت کے میری خانہ خراب تحریر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ بچائے اس کے اپنی اور ممتاز الدین احمد کی مرشد ”کربل کتھ“ مجھے تقویٰ بخش کی۔ ان کے دستخطوں پر ۵ دسمبر ۱۹۶۵ء کی تاریخ پڑی ہے، گویا اس دن میں نے پہلی بار اس عہد ساز شخصیت کو دیکھا۔ اُس وقت انھوں نے عمر حزیہ کے ۵۹ برس بھی پورے نہیں کیے تھے۔ اُس دن سے آخری دم تک وہ مجھ پر کمال مہربان رہے۔ میرے شاگرد بہت ہیں، روشنی اور دم ساز بھی کم نہیں، لیکن میرے در بزرگ خال خال ہیں۔ مالک، رام کے چلے جانے سے ایسے شجر سایہ دار کے ڈاکٹر نے کاٹم ہوتا ہے جس کی

چندوں میں مجھے مافیت ملتی تھی۔ میں مارچ ۱۹۴۳ء کے عیسوی طغے میں دہلی گیا تھا لیکن فاسلے کی وجہ سے ان سے نہ مل سکا، مصروفیت کی وجہ سے انھیں فون بھی نہ کر سکا۔ سوچا، اگلی دفعہ آؤں گا تو ظانی کر لوں گا، لیکن یہ کہیں معلوم تھا کہ وہ اگلے مہینے ہی بمبئی جائیں گے۔ وہ کہیں گئے ہیں؟ ان سے آخری بار کیونکر ملوں؟ اقبال نے کہا تھا،

کوئی اب تک نہ یہ سمجھا کہ انہیں

کہاں چلا ہے، آتا ہے کہاں سے

میں بھی اس حقیقت سے نا آشنا ہونے پر اداس ہوں، سوچا کرتا ہوں۔ اقبال ہی کا ایک اور شعر ہے،

جو بارہ کش تھے پرانے، وہ اٹھے جاتے ہیں

کہیں سے آپ بقاءے دوام لے سکتی

ہم دیکھ رہے ہیں کہ بیسیویں صدی کے نصفِ اول نے ہمارے ملک میں جن عظیم کو سرگرم کار کیا، نصفِ دوم نے اس قدر قاست کے انسان پیدا نہیں کیے۔ سیاسی قائدین میں سامنا گاندھی، جواہر لال نہرو، مولانا آزاد، راجندر پرشاد، سردار پٹیل، راج گوپال آپتہ، سبھاش چندر بوس، محمد علی جناح وغیرہ جیسے دیو قاست اس صدی کے نصفِ دوم میں نہیں ابھرے۔ ٹیکور اور اقبال جیسے شاعر، بوس اور رمن جیسے سائنس دان پیدا نہیں ہوئے۔ کیا یہ دونوں کا دور ہے؟

اردو میں اب سے پہلے کیسے کیسے حملہ ہو چکے ہیں۔ مولوی عبدالحق، حافظ محمود شیرانی، رشید احمد صدیقی، مسعود حسن رحوی، قاضی عبدالودود، مولانا عرش، ملک رام ٹاکر، زور وغیرہ۔ ان سب کی علمی و ادبی شخصیت قدر کمزور کی طرح رفیع و عظیم تھی اب لے دے کے پروفیسر سرور کی ذات گرامی دکھائی دیتی ہے۔ یہ بات خیر، کہ دوسرے محقق، نقاد معتبر نہیں، وہ طرز ہیں۔ ان میں سے کئی کے علم و فضل کی قسم کھائی جا سکتی ہے، لیکن معلوم نہیں کیوں، میں میں عظمت کا وہ ہالہ دکھائی نہیں دیتا جو آگے کے علما میں تھا۔ شاید مرید ایام کے ساتھ ان میں سے بھی شعاںیں پھوٹنے لگیں۔

ملک رام ناہتہ عالمیات ہی نہ تھے، وہ ماہر الہ الکامیات اور ماہر اسلامیات بھی تھے۔ اسلامی علوم میں ان کی فکر کی داد مولانا عبدالماجد دریا بادی دے چکے ہیں۔ ملک رام عجم و عرب کی قدیم تاریخ کا بڑا مہرمان رکھتے تھے۔ ان کی ضیاء تحقیق نے ان کی خاکہ نگاری کو جھٹلا دیا ہے، حالانکہ ”سورۃ سورۃ علی“ کے خاکے قدر قبول کی جڑیں۔

رسالہ ”آج کل“ نے اگست ۱۹۷۷ء میں اردو تحقیق نمبر شائع کیا تو سرورق کے اردو اردو کے چار زندہ شخصوں کی تصویریں اس عنوان سے چھاپیں۔ ”اردو تحقیق کے چار ستون“۔ یہ تصویریں قاضی عبدالودود، مولانا عرشی، مسعود حسن رضوی، نور ملک رام کی تھیں۔ ان کے انتقال کے ساتھ تصیر تحقیق کا آخری سال خود وہ ستون بھی ڈس گیا۔

اقبال یہ ہے کہ ان چاروں میں صرف جناب ملک رام کو منظم طریقے پر حرف تھیں بنایا گیا ہے۔ تحقیق میں فروگزاشتوں کی نشیں دی کی جائے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ شکایت کا مقام جب ہے جب اعتراض کا لہجہ علمی سطح سے گر جائے، جب صاف معلوم ہو کہ معترض کو کوئی ذاتی کہ ہے، وہ اشاعت علم کی خاطر نہیں بلکہ کسی غیر علمی جذبے کے تحت خروہ گئی کر رہا ہے اور جب موقع پاتا ہے تو تبصرے میں ذاتیات کو لے آتا ہے۔ تنقید و تحقیق اگر معترضانہ بھی ہو تو بھی انصاف کا پلہ برابر، کھنا چاہیے، تصویر کے دونوں رخ پیش کرنے چاہئیں۔ کسی کتاب پر تبصرہ کرنا ہے تو اس کے حسن و قبح دونوں کو یوں اجماعیے کہ قاری کتاب کے بارے میں ایک متوازن رائے قائم کر سکے۔ مس میو کی انگریزی کتاب ”در اندیا“ کے مرتبے حقیقت پر مبنی تھے، لیکن مساتما گاندھی نے اس کتاب کو ”گندی ملی کے انیسکٹر کی رپورٹ“ قرار دیا تھا۔ اسی قسم کی ایک رپورٹ ”اردو تحقیق اور ملک رام“ نام کی کتاب ہے جس کے مرتب کا نام ”شہد“ علمی ایم اے لکھا ہے، لیکن اس نام کا کوئی شخص نہیں۔ اس کا ماثر ”ادارۃ تحقیق، دہلی نمبر ۶“ ہے اور یہ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ پتا ناگانی ہے۔ اس نام کے کسی ادارے کا نام معلوم نہیں۔ جب یہ بات پھیل گئی کہ اس کا مستفاد ہوتا ہے تو اس کے اصل مرتبین نے شکایت کو بازار سے اٹھالیا۔ تحقیق کے معنی حقیقت، دریافت کرنے کے ہیں۔ جس کام کی بنیاد ہی جھٹل پر ہے، دور و صداقت و

حقیقت کی بات کر سکتا مگر یہ کی کہلات یاد آتی ہے کہ اٹھس صیفوں کا حال اردو ہوتا ہے۔ کتاب کے نام سے ایسا لگتا ہے کہ اردو تحقیق میں مالک رام کی خدمات اچانک کی ہوں گی، نیز ان کے تسامحات کی نشان دہی بھی کی ہوگی، لیکن کتاب میں دوسرا رخ ہی ہے۔ جس طرح کردار کشی ایک اصطلاح ہے، اسی طرح یہ کتاب مالک رام کی علمی شخصیت کشی کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے پیش لفظ اور بعض مضامین کے انداز گفتار کے پیچھے معاندانہ جذبہ پھوٹ کر دیکھ رہا ہے۔ اس کے غیر علمی لہجے سے قطع نظر، اس کے بعض مضامین کی اہمیت کا میں منکر نہیں۔

یہ مطالبہ کرنا ہے جان ہو گا کہ تحقیق و تبصرے کو "مندی نالی کے انجکٹر کی رپورٹ" نہ بتایا جائے۔ اگر صرف تسامحات شمار کی تک محدود رہنا ہے تو تبصرے کی ابتدا میں صراحت کر دی جائے کہ اس تحریر کو غلط واسطی کی نشان دہی تک محدود رکھا گیا ہے۔

بزرگ شعل کے ماہرین غالبیات میں ذیل کے حلا کو شمار کیا جاتا ہے:

مولانا غلام رسول مہر (۱۸۹۵ء تا ۱۹۷۱ء)، قاضی عبدالودود (۱۸۹۶ء تا ۱۹۸۳ء)، مولانا امتیاز علی خان مرثی (۱۹۰۳ء تا ۱۹۸۱ء)، مالک رام (۱۹۰۶ء تا ۱۹۹۳ء)، شیخ محمد اکرام (۱۹۰۸ء تا ۱۹۷۳ء)۔

ان عناصر غم میں بھی مالک رام آخری تھے۔ انھوں نے غالبیات کے علاوہ دوسرے موضوعات میں بھی داد تحقیق دی، لیکن آج کی بات چیت ان کی غالبیات تک محدود رہے گی۔ دقت یہ ہے کہ میں کسی حد تک مالک شناس تو ہوں، غالب شناس نہیں۔ اس موضوع پر بات کرنے والا خود بھی ماہر غالبیات ہونا چاہیے کیوں کہ ولی راوی می شناسد۔ غالب شناسی میں میری محض ایک کتاب ان کے منسوخ کلام کی شرح ہے۔ میں غالب پر مالک رام کے کاموں کا جائزہ لیتا ہوں تو بار بار کسی گلی، کسی بھول بھلیاں میں بھٹک جاتا ہوں کتاب میں چھانٹتا ہوں اور ہلاتا خرکالی واس گیتا رضا سے رو بہری چاہتا ہوں۔ بہر حال اکتلتے، اکتلتے مالک رام جیسے جید ماہر غالبیات کے کارناموں کو اپنی کم نظری کے باوصف آ نکلتا ہوں۔ غالب نگاری میں ان کے کاموں کا تین بڑے زمروں میں احصاء کیا جاسکتا

ہے

(الف) طبع زاد کتابیں،

۱۔ ذکرِ غالب ۲۰۔ انگریزی کتابچہ مرزا غالب ۳۰۔ طائفة غالب

(ب) مضامین،

۳۔ فسانہ غالب ۵۰۔ گفتار غالب ۶۰۔ تحقیقی مضامین میں غالبیات کے مضامین

۷۔ نگاروں کے باہر حفرق مضامین ۸۰۔ مقالات ۹۲۔ انگریزی مضامین

(ج) ہدین و ادارت،

(۱) فارسی، ۱۰۔ سہد چین ۱۱۰۔ دخیو ۳۰۔ کلیاتِ نظم غیر مطبوعہ

(۲) اردو فارسی مشترک، ۳۳۔ گلِ رحما

(۳) اردو، ۳۳۔ دیوانِ غالب ۱۵۰۔ خطوطِ غالب ۶۱۰۔ حیاتِ غالب ۱۷۰۔ یادگارِ غالب

۔ بانک رام نے اپنا پہلا مضمون "نیرنگ خیال" لاہور کے ۱۳۳۳ء کے کسی شمارے

میں شائع کرایا، لیکن یہ غالب سے متعلق نہ تھا۔ غالبیات میں ان کا پہلا مضمون "غالب

اور فوقی" "نگار" ستمبر ۱۳۳۶ء میں شائع ہوا۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ غالبیات کے

بس باہر کی غالب سے متعلق پہلی تحریر غالب کے خلاف تھی۔ انھوں نے زبان و

طرزِ بیان کے اعتبار سے فوق کو غالب پر ترجیح دی۔ جب سے آج تک بانک رام نے

غالب کی نظم و نثر، اردو و فارسی، سوانح و شخصیت، سب پر تحریروں کا انبار لگا دیا ہے

مگر ماہرینِ غالبیات نے غالب پر اتنا زیادہ اور اس حقوق کے ساتھ گھما ہوا۔

ان کی کتابوں پر اقبالِ خیال کرنے سے قبل ایک نکتہ۔

بانک رام صاحب کی کتابوں میں ۱۰۰ تصنیف ہوں کہ ہدین، فرسٹ مطالب سب

سے پہلے نہیں ہوتی بلکہ عام قاعدے کے برخلاف ان کے دیباچے کے بعد ہوتی ہے کسی

مضمون کو فرسٹ میں تلاش کرنا ہو تو پہلے ان کے دیباچے کے صفحات اٹھیے جب

فرسٹ برآمد ہوگی۔ مجھے اس سے بڑی وقت اور اسی حساب سے "مختصر" ہوتی ہے

مکتبہ غالب کی "میش گتیار" ۳۳ صفحات کی ہے، ۲۰۲۰ء اس کے بعد ایک صفحے

پر فہرست ہے اور پھر متن کا پہلا مضمون۔ بسا اوقات فہرست تلاش کرتے وقت میں پیش گفتار کے بعد متن کے مضمون تک پہنچ جاتا ہوں اور فہرست کا ورق بچ میں چسپا رہ جاتا ہے، پھر ورق گردانی کرتا ہوں۔ ان سے متعلق دوسروں کے دو مجموعوں ”ارمغان مالک رام“ اور علی جواو زیدی کی ”مالک رام، ایک مطالعہ“ میں بھی یہی بدعت ہے، کیوں کہ ان کی کتاب ہندی مالک رام صاحب کی زیر نگرانی ہوئی ہوگی۔ شکر ہے کہ کرگل زیدی کی ”مالک نامہ“ (۱۹۸۷ء) میں فہرست پہلے ہے اور پیش گفتار بعد میں۔ آئندہ ادراک میں غالباً مالک رام کا جائزہ لیا جائے گا۔

دوسرا باب

طبع زاد کتابیں

قابلیات کے میدان میں ملک رام نے صرف عین مستقل طبع زاد کتابیں تصنیف کیں۔ دو اردو میں اور ایک انگریزی میں۔ یہ ہیں،
 ذکر غالب - مرزا غالب (انگریزی)۔ طلذۃ غالب -
 ذیل میں ان کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

ذکر غالب

قابلیات میں یہ ان کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ طبع ختم کی عرض مؤقف میں انھوں نے اس کی شان نزول بیان کی ہے۔ ۳۸ - ۱۹۳۷ء میں انھوں نے "سید چمن" اشاعت کے لیے حیار کی۔ ایک دن حامد علی خان جرنل مینینجر کتبہ جامعہ نے کہا کہ کلاب بہت بھلی ہے۔ آپ اس پر مبسوط دیباچہ لکھ دیجیے۔ ملک رام دن بھر اپنے دفتر میں کام کرتے، رات کے کھانے کے بعد دیباچہ لکھتے۔ اگلی صبح دفتر جانے سے پہلے حامد علی خان بلاناہ آتے اور مستودے کی قسط لے جاتے۔ آخری قسط لے جانے کے بعد ایک دن بھنے لگے کہ اب بھی طے کیا ہے کہ آپ کا دیباچہ "سید چمن" سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں چھاپ دیا جائے۔ اس پر ملک رام نے کہا کہ مستودہ داخلے دے دیجیے تاکہ میں اس پر نظر ثانی کر دوں۔ حامد علی خان نے بتایا کہ اس کی تو کسایت بھی ہو چکی ہے اور پورا مضمون ۱۶ صفحات میں آیا ہے۔

اس طرح کتاب کا پہلا ایڈیشن دواکلی اپریل ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا۔ یہ مصنف کا دہ پارہ پارہ مسودہ ہے جس کی وہ ترتیب و تہذیب نہ کر سکے۔ یہ کام بعد کی اشاعتوں میں ہوا۔ طبع اقبال کے ۱۰۲ صفحات کے مقابلے میں طبع پنجم (فروری ۱۹۷۶ء) میں ۷۹ صفحات ہیں۔ علی جوادی زیدی کے مجموعے ”مالک رام، ایک مطالعہ“ (جولائی ۱۹۸۶ء) میں توثیق مالک رام کی مرثیہ حبیب ہانو نے مژدہ دیا ہے کہ ”ذکر غالب“ کا چھٹا ایڈیشن زیر طبع ہے (مطالعہ ص ۳۲)۔ یہ ایڈیشن آج تک نہیں آیا۔ ۱۹۷۶ء کا ایڈیشن سی آفری اشاعت ہے۔

اس سے پہلے غالب کی تین مشہور سوانح مرزاں آجکی تھیں۔ جلی کی ”یادگار غالب“ ۱۸۹۷ء، غلام رسول مہر کی ”غالب“ ۱۹۳۶ء اور شیخ محمد اکرام کی ”غالب نامہ“ یا ”آثار غالب“ ۱۹۳۶ء۔ چوں کہ نقش جلی نقش اول سے اور نقش ثالث نقش ثانی سے بہتر ہوتا ہے، اس لیے مالک رام کی ”ذکر غالب“ پیش رو سوانح عربوں سے زیادہ مکمل ہے۔ اس کا پانچواں ایڈیشن اتنا پختہ اور پاتر تہیب ہے جیسے ایک مربوط و منظم یا منظم ہوئے ناول کا ایک حصہ دوسرے سے جدا ہوا ہو۔ یہ بڑی حد تک مستند ہے۔ توسط خطاست کی اس کتاب میں سوانح غالب کی تمام معلومات اس طرح قابل اعتماد اور منضبط طریقے پر آگئی ہیں کہ اسے یونورسٹیوں کے تحقیقی و تنقیدی مقالے کا ایک مثالی نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں تین باب ہیں جنہیں تین حصے کہا جاسیے۔ پہلے طرہیں باب میں غالب کے تحقیق شدہ حالات ہیں۔ دوسرے باب میں غالب کی تمام فارسی اور اردو تصانیف کی مستند تفصیلات ہیں۔ تیسرے باب کا عنوان ”عادات و اخلاق“ ہے۔ یہ بھی بہت مفصل اور جامع ہے۔ اس کا بہتر عنوان ”فخصیت“ ہو سکتا تھا۔ کتاب میں غالب کے کلام پر تنقید کی کوشش نہیں کی گئی اور یہ اچھا کیا کہ سوانح کو محض ادیب اور اس کی شخصیت تک محدود رکھا۔

”ذکر غالب“ کے دوسرے ایڈیشن پر قاضی عبدالودود نے ”معاصر“ حصہ ۲ میں

تہرہ کیا۔ مجھے مصاصرہ کا یہ شمار ہوتا نہیں ہے، لیکن یہ تہرہ "اردو تحقیق اور" ملک رام" میں شامل ہے اور میرے سامنے ہی ہے۔ اس میں قاضی صاحب نے مژکر غالب کی بعض فردگراشتوں کا ذکر کیا ہے، اس کی کسی نوٹی کے بارے میں ایک لفظ کے بھی گتہ کار نہیں۔ اعتراضات بہت سے ہیں، امام اور خیر امام، خبیثہ اور خیر خبیثہ ان میں سے بعض کو ملک رام نے قبول کر کے بعد کے ایڈیشنوں میں تراجم کر لیں۔ میں چند کا ذکر کرتا ہوں۔

۱۔ مستف نے غالب کی ولادت کا ذکر یوں کیا ہے،

"مرزا غالب ۸ رجب — کو پیدا ہوئے۔ ۸ رجب کو مرزا غالب نہیں

ایک بچہ عزت النساء بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو شخص ساتھ لے کر دنیا میں نہیں آیا تھا۔"

قاضی صاحب کا یہ اعتراض سخت گیری اور اعتراض برائے اعتراض کی ایک انتہائی مثال ہے۔ اگر تحقیق کو قانونی و سائنسی صحت ہی عطا کرنی ہے تو کسی تحریر میں "والد" کا لفظ استعمال نہ کیا جائے بلکہ والدہ کا شوہر کہنے پر اکتفا کی جائے، کیونکہ کس نے تحقیق کی ہے کہ سینہ اولاد سینہ والد ہی کے نطفے سے ہے۔ اب قاضی صاحب کے ایک مضمون سے صرف دو مثالیں ملاحظہ ہوں تاکہ ہم کہہ سکیں،

اِس گناہست کہ در شہر شامہ کفہ

(الف) مرزا احمد خاں داماد افشا ۳۱۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے ہوں گے۔

(تصحیح اللہ، مصاصرہ جلد ۲، صفحہ ۵۰، ص ۵۱)

ظاہر ہے کہ پیدائش کے وقت نہ ان کا نام مرزا احمد تھا، نہ شخص افشا، نہ وہ افشا کے داماد تھے۔ پس قاضی صاحب کو گھٹنا چاہیے تھا۔

مرزا احمد کی والدہ کے پاس ۳۱۰ھ کے لگ بھگ ایک لڑکا پیدا ہوا ہوگا جس کا نام

مرزا احمد رکھا گیا، بڑا ہونے پر وہ افشا کا داماد بنا اور اس نے اپنا شخص افشا رکھا۔

(ب) اسے محمد مخزوم اور لگ آباد میں پیدا ہوئے۔ (ایضاً)

میں بھی وہی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ سید محمد والدہ کے بطن سے نام اور تخلص لے کر برآمد نہیں ہوئے تھے۔ انہوں نے یہ ہے کہ ”ذکر غالب“ کا مصنف اس غیر مجیدہ اعتراض سے خائف ہو گیا۔ پانچویں ایڈیشن میں لکھا ہے،

” مرزا ارجب ۱۳۳۳ھ (۲۷ دسمبر ۱۸۹۷ء) کو بدھ کے ۱۶ سورج نکلنے سے

چار گھنٹی پہلے آگرے میں پیدا ہوئے۔“ (ص ۱۶)

ڈر ہو گا کہ مرزا اسد اللہ خاں لکھنؤ کے تو قاضی صاحب پھر گرفت کریں گے کہ بچہ میں کے بیٹ سے اسد اللہ خاں نام لے کر پیدا نہیں ہوا تھا، حالانکہ ادب کی مثالوں میں خود فاضل معترض نے دوسروں کو نام، تخلص اور نسبتی رشتے کے ساتھ پیدا ہونے دیا ہے۔

۲۔ عادات و اخلاق کا ایک خاص باب قائم کیا ہے۔ یہ بھی عبد حاضر کی روش کے خلاف ہے۔ واقعات زندگی اس طرح بیان کرنے چاہئیں کہ عادات و اخلاق کا الگ سے ذکر کرنے کو، ”زردت نہ رہے۔“

سیرا خیال ہے کہ انگریزی میں جو بھی روش ہو، اردو میں شخصیت کا الگ سے ذکر کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

۳۔ مصنف نے حوالے نہیں دیے ہیں۔

مجھے یہ تسلیم کہ مالک نام اول قول اپنی کتابوں میں ماحذ کا حوالہ درج کرنے کی پابندی نہیں کرتے تھے۔ قاضی عبدالودود اور رشید حسن خان کی جہیوں کے بعد انہوں نے اطباء ماحذ کا طریقہ اختیار کیا۔ قاضی صاحب نے جن بیانات کا حوالہ طلب کیا ہے، لگتا ہے قاضی صاحب کو ان کی صحت میں شبہ ہے۔ میں ذیل میں اہم تر اعتراضات نقل کرتا ہوں۔ ان کے ساتھ ملنے کا حوالہ ”اردو تحقیق اور مالک رام“ کا ہے جس کے نیچے میں اپنی وضاحت درج کروں گا اور اس کے لیے ”ذکر غالب“ طبع انجم کا صفحہ نمبر لکھوں گا۔

الف۔ غالب لکھنؤ میں تھے کہ ایک مشاعرہ جلسے چمکانے پر ہوا جس میں غالب نے ایک غزل پڑھی جس کا مطلع یہ ہے، ”داں بچ کر جو غش آتا ہے ام ہے ام کو (اردو

تخلیق، ص ۱۶۔ ہلک رام نے طبعِ پنجم، ص ۵۹ میں مشاعرے کی بات حذف کر کے صرف یہ لکھا کہ یہ منزل قیام گھنٹوں کی یادگار ہے۔

د۔ غالب میں کانے صاحب کے مرید تھے (ص ۱۶)۔ اس کی وضاحت آگے ”ذکرِ غالب“، ص ۲۳۹ کے سلسلے میں ملاحظہ کیجیے۔

۵۔ یہ اطلاع کہ غالب نے ظفر کا سکہ کما تھا، انگریزوں کو گوری شکر جاسوس سے ملی تھی (ص ۱۶)۔ طبعِ پنجم میں حوالہ ہے، فاران (مشرق) فردوسی ۱۸۸۳ء (۳۰-۳۳) طبعِ پنجم ص ۱۱۰۔

ز۔ مظلوم ہونا ہے کہ مشتری اور — زہرہ — نے بھی اس معرکے میں حصہ لیا تھا — بعض — کا خیال ہے کہ شمس نے خود اعتراض کھ کر ان دونوں کے ہم سے شیعہ کیے تھے (ص ۱۷)۔ بعد کے ایڈیشن میں ہلک رام نے اس کا ماخذ ”مختار ہندیہ“ جلد پنجم، ص ۳۶ درج کر دیا ہے (ذکرِ پنجم، ص ۱۱۸)۔

ح۔ عبدالصمد قبولِ اسلام سے پہلے زردھشتی مذہب کے موہد تھے — موہد ہونا معتقد کے سوا کسی نے نہیں لکھا (ص ۱۷)۔

ا۔ اعتراض قبول کر کے ہلک رام نے یہ جملہ یوں بدل دیا، ”اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ زردھشتی مذہب کے پیرو تھے“۔ (ذکرِ پنجم، ص ۲۳-۲۵)

ک۔ غالب کا مقدمہ قلمِ باری کنور وزیر علی خاں کی عدالت میں پیش ہوا تھا (ص ۱۷)۔ بعد میں اس کا ماخذ ”لال علی کی ایک جھلک“ از ناصر ظہیر فراق، ص ۳۳ درج کر دیا گیا (ذکرِ پنجم، ص ۱۱۸)۔

ل۔ یہ تجویز کہ غالب دائسراے کے درباری شاعر مقرر کیے جائیں (ص ۱۷)۔ لکھتے ہیں،

”چیف سیکرٹری گورنمنٹ پنجاب نے لکھا کہ میرے خیال میں گنیش دہلی کی یہ سفارتی معقول ہے کہ علیا حضرت ملکہ معتزہ کا تو نہیں، لیکن انھیں دائسراے کا درباری شاعر مقرر کر دینے میں کوئی حرج نہیں۔ فاران ستمبر ۱۸۹۵ء

صاف قول کے لوگوں میں ہیں۔ "مجدد اور افترا کا نام عسروہ وغیرہ کے ساتھ لیا جڑا اپنی گتہ ہے (اس سے جا۔

افتراض کو تسلیم کر کے ملک رام نے بعد کے ایڈیٹروں میں عسروہ، فیضی، بیہل اور ہر علی کو صاف قول میں رکھا۔ ان کے بعد چند انجمن کے لیے لکھا کہ اگرچہ ان کے پاس کے نہیں، مگر بھی مجدد حنفی غازی نویسوں میں بہت مشہور ہیں۔ ان انجمن میں احسن اللہ مجدد کا نام قابل کیا۔ صادق افترا کا نام سرے سے خارج ہی کر دیا۔

غرض ہرگز نہ ہر صیپ گتہ

نکہ عسروہ نہ ہنگامہ الہ آباد

غالب کے اس طعن کی بنا پر لکھا ہے کہ ستر گتہ میں غالب کے خلاف ایک ہنگامہ گتہ آگذا، گجج الہ آباد میں بھی ہوا تھا۔ مجھے خبر ہے کہ اس کا تعلق کسی نہ کسی طرح غلام رام شہید سے تھا۔

غاضبی صاحب کی رائے میں غالب کی شہید سے کوئی نزاع نہیں ہوئی۔ ملک رام نے بعد کے ایڈیٹروں میں سے شہید کا نام حذف کر دیا۔

غرض یہ ہے کہ غاضبی صاحب کے بعض اعتراضات واقعی سہ معصفت کی تصحیح کرتے ہیں، لیکن بہت سے اعتراضات فردی ہیں۔ یہ سچے نام نہیں، جتنے ملک رام صاحب کے متعدد انکشافات اور اصلاحات۔ کمال تبصرہ نگار کو ان کے بارے میں ایک حربہ صبر کھینے کی بھی توفیق ہوئی، ہوتی اب میں اس کے چند محدود بات پر اپنے مشاہدات پیش کرتا ہوں۔ مصلحتوں کا تبصرہ طبع ختم کے مطابق ہے۔

پہلی عمومی بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ ملک رام نے متعدد مرقعوں پر جالے میں بڑے سطحات درج کی ہیں۔ ان میں متن میں کیوں نہیں لکھا، یہ کہہ میں نہیں آتا۔ میں نے اپنی کتاب "تحقیق کافن" میں مفصلی لکھا ہے کہ حتی الامکان جالے کا استعمال ہائے کے حوالے کے لیے کیا جائے۔ مثلاً تہجراتی سطحات کو متن ہی میں دیکھا جائے۔ صرف ایسا تبصرہ جالے میں دے سکتے ہیں جو متن میں دیا جائے تو دہل در سطحات مطوم ہو (تحقیق کافن، ص ۲۲-۱۷۷۲) میں تو یہاں تک کہوں گا کہ "ذکر غالب"

ہیں تن اور حاشیے کے مطالب نے تعین میں بالکل مزاج کا عالم ہے۔ ایک موضوع کی پُر مغز بحث کا ایک حصہ تن میں دیا اور اس سے متعلق اتنی ہی پُر مغز مطبوعات حاشیے میں پیشک دی، مثلاً دیکھیے سفر گلکد کے حواشی۔

ایضائی پانچ سطحوں ۱۷ - ۲۱ میں قدیم ایرانی عبادانوں کی تاریخ کا ٹچوڑ ہٹی صراحت کے ساتھ درج کیا ہے۔ قاضی عبدالودود نے طبع دوم کی تفصیلات سے اختلاف کیا تھا۔ بعد کے ایڈیشنوں میں ملک رام نے ان کے بعض اختلافات کو قبول کیا، دوسروں کو نہیں۔ دراصل قدیم ایران کی تاریخ اساطیری زیادہ ہے، موجودہ معنی میں تاریخی کم، اس لیے مختلف راویوں کے یہاں مختلف بیانات ملتے ہیں۔ قاضی صاحب جن راویوں سے حقیق تھیں، ضروری نہیں کہ معتق "ذکر غالب" بھی ایسا ہی کرے۔

ص ۳۳ - ملا عبدالصمد کے وجود کے بارے میں ایک اور شہادت لائے ہیں جو حسانہ غالب کے مضمون "عبدالصمد استاد غالب" میں نہیں۔ یہ مضمون "نوائے ادب" جنوری ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔ "ذکر غالب" طبع پنجم میں نواب طلحی کا ایک قول درج کرتے ہیں،

"عبدالصمد تاجر تھا۔ ذخائر کے لیے آگرے کو اس نے امید لگا دیا تھا" (نکار، رام پور، فروری ۱۹۵۳ء)۔

ص ۳۶ - ملک رام غالب پرست نہیں۔ صاف لکھتے ہیں کہ غالب کی عربی سے واقفیت بہت معمولی تھی۔ وہ عربی میں آخر تک غلطیاں کرتے رہے۔ حاشیے میں واضح کرتے ہیں کہ عربی دطاء الصباح کا انھوں نے براہ راست ترجمہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے کے ذریعے عربی ترجمے کو اردو میں نظم کر دیا۔

میں پوچھتا ہوں کہ یہ بات حاشیے میں کیوں لکھی۔ اسے تن میں لکھنے میں کیا قباحت تھی۔

ص ۳۸ - غالب کے ایک خط میں ستم چٹھ ڈومنی کا ذکر آگیا ہے۔ نظم اور فی دی والوں نے اس بات کا ہنگامہ بنا دیا۔ ملک رام سر فیہ محبوب کو اسی سے متعلق کرتے

ہیں۔ ان کی داسے میں یہ ڈومنی کوئی رٹلی نہیں تھی۔ اس غزل میں ایک شعر ہے،

شرم رسوائی سے جا چھپا نکالے خاک میں

ختم ہے الفت کی تجھ پر پردہ داری ہائے ہائے

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی بازاری عورت نہیں تھی، ورنہ کہاں کی "شرم رسوائی" اور کہاں کی "پردہ داری الفت"۔ اس شعر سے یہ بھی گمان گزرتا ہے کہ شاید اس نے خود کشی کر لی تھی۔ مالک رام نے قدیم محکموں کی بنا پر اس غزل کو ۱۸۱۶ء اور ۱۸۵۸ء کے بیچ کی تصنیف قرار دیا ہے۔

۱۸۵۸ء - غالب کے سفر کلکتہ کے آغاز کی بارہ گونوں کا مجلہ ضایت نکلا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں خود غالب کے "دوسرے سوانح نگاروں کے اور خود مالک رام کے بعض بیانات میں تضاد ہے۔ مالک رام نے سوکر غالبؒ میں ان اختلافات کو درج کر کے انہیں نہیں سلجھایا۔ غالبؒ "گل رعنا" کے خاتمے کی عاری تر نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ نواب احمد بخش سے ملنے ان کے پایہ تخت (فیروز پور، حمرکا) گئے تھے (ص ۱۳۹)۔ وہیں سے دہلی واپس آئے اور روزگار درلا تک وہاں ٹھہرے۔ اس کے بعد کلکتہ کے لیے روانہ ہوئے (ص ۱۵۱)۔ اس کے برخلاف مقدمہ بخش کے مرحلی دعوے میں سمجھتے ہیں کہ وہ قرض خواہوں کے ڈر سے فیروز پور، حمرکا سے دہلی نہیں گئے بلکہ براہ راست کلکتہ کے ارادے سے کلن پور کے لیے روانہ ہو گئے (افسانہ غالب، ص ۱۱۱)۔

ان متضاد بیانات کی وجہ سے مختلف محققین نے سفر کلکتہ کے آغاز کی مختلف تاریخیں درج کی ہیں۔ ڈاکٹر ابو محمد حریکھتے ہیں،

"بیچ اکرام کا قیاس ہے کہ غالب اگست ۱۸۵۸ء سے پہلے دہلی سے روانہ ہو

چکے تھے (غالب نامہ، طبع دوم، ص ۱۲۵)۔ مولانا غلام رسول صر کے مطابق

غالب یہ ہے کہ وہ — اپریل ۱۸۵۸ء میں روانہ ہوئے (غالب، طبع سوم، ص ۲۰)۔

۲۰۔ مالک رام صاحب کی داسے میں دو نومبر، ستمبر ۱۸۵۸ء میں دہلی سے روانہ

ہوئے۔" (۱۱)

(گل رعنا، مقدمہ، ص ۱۱)

بانک رام کو مقدمہ فیشن کا عرضی دھوی ۱۹۳۳ء سے پہلے لندن میں مل گیا تھا، کیونکہ اسے انھوں نے اپنے مضمون "ذکر غالب" (۱۲ ج کل، فروری ۱۹۳۳ء) میں پیش کیا۔ اس کے باوجود وہ ۱۹۴۰ء تک اس کے برعکس لکھتے رہے۔

"وہ جب سفر پر روانہ ہوئے تھے تو چونکہ ودائیگی سے پہلے مولوی فضل حق شیر آبادی سے ودائی ملاقات نہیں کر سکے تھے، اس لیے ملنے کو دہلی واپس گئے اور پھر دوبارہ سفر پر روانہ ہوئے۔ کلیات کا بیان صحیح معلوم ہوتا ہے۔ درخواست میں انھوں نے اختصار سے کام لیا ہے اور اس کا ذکر مناسب خیال نہیں کیا۔" (۱۱)

کلیات کے بیان سے مراد کلیاتِ نثر غالب میں مشمولہ "گلِ رحمت" کی نثر ہے درخواست سے مراد مقدمہ فیشن کا دھوی ہے۔ اپنے مرتبہ "گلِ رحمت" کے مقدمے کی دوسری ہی سطر میں لکھتے ہیں:

"وہ نومبر یا دسمبر ۱۹۳۶ء میں دہلی سے روانہ ہوئے۔" (۱۱ ص ۵۷)
یہ موقف "ذکر غالب" طبعِ چہارم میں تھا۔ طبعِ پنجم میں عرضی دھوی کے بیان کا اقتباس نقل کرتے ہیں:

"دوسروں کی نظر سے چوری چھپے، ہمیں بدل کر، کسی طرح کا سدا و سلمان لیے بغیر سو مشکوں سے نواب احمد بخش خاں کے ساتھ ہجرت پور کے لیے روانہ ہو گیا۔" (۱۱ ص ۵۸)

حاشیے میں لکھتے ہیں:

"یاد رہے کہ یہ نومبر یا دسمبر ۱۹۳۵ء کا ذکر ہو رہا ہے۔"
گویا "ذکر غالب" طبعِ چہارم اور مقدمہ گلِ رحمت کے مطابق سفرِ کلکتہ نومبر یا دسمبر ۱۹۳۶ء میں شروع ہوا اور "ذکر غالب" طبعِ پنجم کے مطابق نومبر یا دسمبر ۱۹۳۵ء میں۔
ڈاکٹر ایف محمد عمر اپنے ۱۹۷۱ء کے مضمون میں لکھتے ہیں:

"ناخنہ گلِ رحمت کی عدم صحت پر اگر اختصار کی دلیل لائی جا سکتی ہے تو

درخواست کے مفصل بیانات کی عدم صحت پر مقدمے ہائی کی معطلیوں کے
 قسطنطنیہ نظر احلال کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ ٹھیکے پہنچنے ہی غالب کو یہ
 احساس دلایا جا چکا تھا کہ ان کو اپنا مقدمہ پہلے دہلی کے ریجیٹریٹ کے سامنے
 پیش کرنا چاہیے تھا۔ (غالبیات اور ہم، ص ۷۵)

اسی لیے انھوں نے حیلہ تراشا کہ قرض خواہوں کے ڈر سے وہ دہلی نہیں جا سکتے تھے وہ
 کھنڈ کشتا حرمہ رہے اور کھنڈ ایک ہی بار گئے کہ دوبارہ اس کے بارے میں ملک رام
 نے بحث نہیں کی۔ معتقد الدولہ آغا میر کے لیے کھنڈ گئی فارسی سرکی تاجپہا پر بھی
 روشنی نہیں ڈالی۔ ملک رام کھنڈ میں غالب کے صاحب فرائض ہونے کی ذمت "پانچ
 مہینے سے کچھ دن اوپر" لکھتے ہیں (ص ۷۹)۔ جاپے میں اسے ۱۸۵۷ء کے وسط کا ذکر قرار
 دیتے ہیں۔ ابو محمد عمر قیام کھنڈ کی ذمت کے اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ
 شیخ اکرام کے نزدیک غالب تقریباً گیارہ مہینے کھنڈ رہے (غالب مارچ، ص ۷۵)۔
 غلام رسول سر کے نزدیک کھنڈ میں اسی طویل قیام امر مستبعد ہے۔ زیادہ قرین قیاس
 یہ ہے کہ وہ کھنڈ سے کلن پور جا کر دوبارہ کھنڈ آئے (غالب، ص ۷۹)۔ بخارہ "غالبیات
 اور ہم"، ص ۷۵۔

ابو محمد عمر لکھتے ہیں:

"نومبر ۱۸۵۶ء سے جون ۱۸۵۷ء تک تقریباً آٹھ ماہ وہ یقینی طور پر کھنڈ میں
 تھے۔ جس طرح انھوں نے اپنی درخواست میں معطلی ٹھیکے کے سطر سے پہلے
 فیروز پور سے دہلی آنے کا اظہار نہیں کیا، اسی طرح ان کا یہ بیان کہ وہ کھنڈ
 میں پانچ ماہ سے کچھ اوپر مقیم رہے، کسی معطلت پر مبنی ہے اور جب ان کے
 بیان کے برخلاف کھنڈ میں ان کے قیام کی ذمت کم سے کم آٹھ ماہ ثابت ہے
 تو یہ ذمت ایک سال بھی تسلیم کی جا سکتی ہے۔" (ایضاً ص ۷۵، ۷۶)

کاظم علی خان قیام کھنڈ کی ذمت چند مہینے قرار دیتے ہیں (غالب کا قیام کھنڈ۔
 تحقیق کی روشنی میں، ہماری زبان، یکم مارچ ۱۹۵۷ء)۔

ہندے میں غالب کے قیام کے سلسلے میں ملک رام صاحب لکھتے ہیں،
 "اس سے ہی ظہور نکلتا ہے کہ ایک مرتبہ ۱۸۵۵ء میں جو دہلی سے نکلے تو پھر
 فیروز پور، کان پور، گھنٹوا اور ہندے میں ڈیڑھ سال کے قیام کے بعد سیدے
 نکلے چلے گئے۔" (ص ۳۶)

نکلے پہنچنے کی تاریخ ۲۱ فروری ۱۸۵۵ء ہے (ذکر، ص ۳۶)۔ اگر غالب نومبر، دسمبر
 ۱۸۵۵ء میں دہلی سے نکلے تو دہلی سے نکلنے پہنچنے تک کی مدت تقریباً سوا دو سال ہوتی ہے۔
 اگر ملک رام، احب کے جہول، غالب گھنٹوا میں محض پانچ ماہ سے کچھ دن اوپر رہے تو
 جیسے ایک سال دس مہینے انھوں نے کہاں کہاں گزرا ہے، یہ واضح کرنا چاہیے تھا، صرف
 اپنا موقف درج کرنا کافی نہیں۔ دوسرے اہم محققین نے اگر اس کے خلاف لکھا ہے تو
 اس کی تردید میں دلائل دینے چاہئیں۔ ان کی عدم موجودگی میں نقشبندی کا احساس ہوتا
 ہے۔ ڈاکٹر حنیف نقوی نے "غالب نامہ" جنوری ۱۹۸۵ء میں ایک طویل اور مدلل
 مضمون "غالب کا سفر نکلے" شائع کیا۔ یہ ان کے مجموعے "غالب، احوال و آثار"
 (گھنٹوا، ۱۹۸۰ء) میں شامل ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف حضرات کی تحریروں کا تجزیہ
 کر کے غالب کے سفر گھنٹوا کی مختلف منزلوں کا یہ قائم ثبیل حیار کیا ہے جسے سب سے
 زیادہ عقلی، بخش مانتا ہوں۔ اس میں صلحوں کا نمبر ان کے مجموعے کے مطابق ہے۔
 نومبر ۱۸۵۵ء کے آخر میں دہلی سے ہجرت پور کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے
 فیروز پور، پھر کہ گئے اور اگست ۱۸۵۶ء تک وہیں رہے (ص ۳۶)۔

ستمبر ۱۸۵۶ء میں فیروز پور سے روانہ ہو کر اکتوبر میں کان پور پہنچے (ص ۳۷)۔
 نومبر ۱۸۵۶ء میں گھنٹوا پہنچے اور ۲۱ جون ۱۸۵۷ء تک وہاں رہے۔ ۲۳ جون کو وہاں سے
 چل کر ۲۵ جون ۱۸۵۷ء کو کان پور پہنچے (ص ۳)۔
 آٹھ ماہ کے نام نگر اس داشت اپریل یا مئی ۱۸۵۷ء میں لکھی گئی ہوگی (ص ۶۸)۔
 کان پور میں دو مہینے قیام کر کے جولائی ۱۸۵۷ء کے پہلے نصف میں ہندے پہنچے وہاں
 گئے (ص ۷۸)۔

جولائی ۱۸۵۷ء کے پہلے نصف سے ستمبر کے اواخر یا اکتوبر ۱۸۵۷ء کے اوائل تک ہندے
 رہے۔ (اوائل اکتوبر سے نومبر کے دوسرے نصف تک کا حساب نہیں دیا گیا کیونکہ چند

نومبر کے دوسرے نصف میں وہاں سے روانہ ہوئے۔ ۱۵ نومبر کو مودھا پہنچے تھے۔
۱۹ نومبر کو وہاں سے روانہ ہو کر آئندہ شب ایک گنگل میں بسر کی۔ ۲۰ نومبر کو چلہ مارا
پہنچے، وہاں سے کشتی لے کر ۲۷ نومبر کو الہ آباد پہنچے (ص ۸۰)۔

۲۸ نومبر ۱۸۴۷ء سے کشتی کے ذریعے الہ آباد سے روانہ ہوئے۔ زیادہ سے زیادہ حکم
دسمبر ۱۸۴۷ء تک بندر بس پہنچ گئے ہوں گے (ص ۸۱)۔

۲۹ دسمبر ۱۸۴۷ء کو بندر بس سے نکلتے کے لیے روانہ ہوئے اور صحت دین میں ۱۹ فروری
۱۸۴۸ء کو نکلتے پہنچے (ص ۸۲)۔

۱۵ اگست ۱۸۴۹ء کو نکلتے سے روانہ ہوئے۔ ۳۰ اکتوبر ۱۸۴۹ء کو باندہ پہنچے۔ چند روز
کے بعد وہاں سے چل کر ۲۹ نومبر ۱۸۴۹ء کو دہلی واپس چلے آئے (ص ۸۳)۔

ص ۸۴ (ذکر غالب)۔ معتف جاشی میں مطلع کرتے ہیں کہ سفر نکلتے کے دوران
انہوں نے باندہ کے ایک شخص اسی چند سے دو ہزار روپیہ قرض لیا تھا۔ اس سلسلے میں
محمد مصطفیٰ خاں نے اپنے حکم ستمبر ۱۸۴۷ء کے مکتوب میں ملک رام کو مطلع کیا کہ اس
کا صحیح نام اسی کرن تھا اور وہ فرم "سیخہ ہری کرن رومی کرن" جینکرز باندہ کے
رومی کرن کا بیٹا تھا۔ ملک رام نے خاں کو یہ مکتوب "نمبر ۱" بابت اکتوبر دسمبر
۱۸۴۷ء ص ۸۵ پر شائع کر دیا۔

ص ۸۷۔ نکلتے کے مشاعرے میں غالب نے "میں برہنہ" والی فتاح فیہ غزل
پڑھی تھی۔ ملک رام ۱۸۴۹ء میں نکلتے گئے تو متحدہ بزرگوں سے مشاعرے کی عادت اور
حاضرین وغیرہ کی صحیح تفصیل معلوم کر کے درج کی۔

ص ۸۸ مولانا ابوالکلام آزاد نے نکلتے میں غالب کے "میں معترضین کی شہادت کی۔
یہ تھے، احمد علی گوباسی، احمد علی مدرس مدرسہ عالیہ اور مولوی دہشت علی
دفتر انشاگورز جہل۔ ملک رام لکھتے ہیں کہ احمد علی گوباسی اور دہشت لکھنؤ کے
بارے میں وہ کچھ کہنے سے قاصر ہیں، لیکن دوسرے احمد علی کے بارے میں صحیح کی کہ
وہ سفر نکلتے کے بعد ۱۸۴۷ء میں پیدا ہوئے، ان کا تعلق "طالع برہن" کے متر کے
سے تھا۔

شاعری رحمن بھٹا چاہیے نے اپنے مضمون " غالب کے شاگرد ، محققین اور مخالفین " میں احمد علی گوباسوی کے حالات تفصیل سے (ص ۶۸ - ۷۹) اور وہایت علی کے مختصراً (ص ۷۹) میں لکھے ہیں۔ (بنگال میں اردو زبان و ادب چند تحقیقی مضامین، لکھنؤ، ۱۹۶۹ء) ص ۵۵ تا ۸۶۔ ملک رام نے مقدمہ پنشن کی تفصیلات بہت تفصیل سے اور سلحا کر بیان کی ہیں۔ آخری فیصلے کے سلسلے میں ۱۸۵۲ء تا ۱۸۵۳ء کی ٹکڑے پولیس کی مین دستاویزوں کا حوالہ دیتے ہیں۔

ص ۹۰۔ عام خیال یہ ہے کہ غالب جوئے کی لت میں ایک ہی بار ماخوذ ہوئے تھے، لیکن ملک رام نے اخذ کیا کہ ۱۸۵۱ء میں بھی اس سلسلے میں مرزا کے مکان پر چھاپا پڑا تھا۔ ان پر سو روپے جرمانہ ہوا جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں چار مہینے قید خانے میں رہنا پڑتا۔ بظاہر انھوں نے جرمانہ ادا کر دیا۔ سند، " دلی اردو اخبار " ۱۵۰۳ اگست ۱۸۵۱ء۔ کللی داس گپتا کے مطابق یہ دریافت ملک رام کی لولیات میں ہے۔ (لولیات میں لولیات ملک رام، ملک داس، ص ۶۸)۔

ص ۱۰۰۔ غالب کے بیان کے مطابق ملک رام لکھتے ہیں کہ مرزا یوسف نے ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۱ء کی رات کو سخت بخار میں انتقال کیا۔ متن میں یہ لکھنے کے بعد فٹ نوٹ میں معین الدین حسن خان اور ہکا نیگم کا یہ بیان درج کرتے ہیں کہ مرزا یوسف گھر سے باہر نکل کر ٹہلنے لگے کہ مارے گئے۔ اب میری گنج میں یہ نہیں آتا کہ اس اختلافی بیان کو حاشے میں کیوں دیا، متن ہی میں کیوں نہیں؟ چونکہ اس کی بات صحیح تر ہے، اس لیے متن میں ملک رام کو ترجیح دی گئی اور چاہیے تھا، اس کے بعد غالب کا موصوفہ " کا بیان دیتے کہ ان کے بھائی بخار سے مرے۔

ص ۱۱۳ تا ۱۱۴۔ ۱۸۵۵ء سے ۱۸۵۳ء تک غالب اپنی پنشن میں اختلاف کی جنگ لڑا کیے اور اس میں ناکام رہے۔ ۱۸۵۸ء کے بعد سے ضبط شدہ قلیل پنشن اور دربار و عدالت کی بھائی کے لیے جاد کرتے رہے۔ اس سلسلے میں ملک رام نے غالب کے خط بنام حقیر مورخہ ۲۹ مئی ۱۸۵۳ء کی طرف توجہ دلائی ہے کہ سرکار نے ان کی پنشن میں پانچ روپے مینا وضع کر کے اسے ٹھن سٹون روپے آٹھ آنے کر دیا۔ ملک رام لکھتے

ہیں کہ یہ باہلی فلم ممتا ہے، کیونکہ اس خط کے علاوہ انھوں نے کبھی نہیں لکھا کہ ہمارے پہلے انھیں کبھی ساڑھے ہفتہ سے کم ملے ہوں (ص ۱۱۷)۔

بہرحال وہ اپنی دوسری جنگ میں کامیاب ہو گئے، مئی ۱۸۹۳ء میں پنشن بحال ہو گئی اور ۳ مارچ ۱۸۹۴ء کو دیہار و خلعت بھی بحال ہو گیا (ص ۱۱۹)۔ ہر بات کی صحیح تفصیلات ”ذکر غالب“ میں کما حقہ ملتی ہیں۔

غالب کی زندگی کی ان دو جنگوں کے علاوہ آخری ایام میں ”بہارِ قاطع“ کا سرکہ بھی بہت اہم تھا۔ ملک رام نے سورج کے باب میں اس کے بارے میں ایک لفظ نہیں لکھا بلکہ دوسرے باب میں تفصیلات کے بعد دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ سورج میں بھی اس کا ذکر، مختصراً ہی سہی، کیا جاتا۔

”ذکر غالب“ کا دوسرا باب تفصیلات کے بارے میں ہے جس میں غالب کی زندگی اور بیسویں صدی میں حلقہ نگاروں کے بارے میں صحیح تفصیلات دی ہیں۔ مٹھا ”موجز“ کے بارے میں یہ بتایا کہ اس کا پہلا ایڈیشن نومبر ۱۸۵۸ء کے پہلے صفحہ میں بازار میں آیا (ص ۱۳۹) یا ”بارج دور“ کے بارے میں یہ تعین کہ اس میں ”سبد چمن“ سے ۱۳۶ شعر زیادہ ہیں (ص ۱۵۶)۔ ایک بحث ہے کہ غالب کا اردو دیوان کب مرتب ہوا۔ میں اس مقالے میں آگے چل کر ایک مضمون کے سلسلے میں ذکر کر دوں گا۔

مؤکبر غالب ”میں اپنے پہلے کے موقف میں زنی برت کر لکھتے ہیں،

”میرا خیال ہے کہ اس زمانے میں شاید انھوں نے صرف اردو کلام کا ایک

مفضل انتخاب مرتب کیا جو محداول دیوان کی اولین یا ابتدائی شکل تھی

جاسکتی ہے اور اس کے لیے دیباچہ بھی لکھا“۔ (ص ۱۴۵)

ملک رام نے اس پر توجہ نہیں کی کہ نکلنے کا فارسی دیباچہ صرف ”گلِ رحما“

کا دیباچہ ہے جس کے آخر میں ”گلِ رحما“ کا نام بھی دیا ہے۔ محداول دیوان کا

دیباچہ اس سے مختلف ہے، اس لیے کون جانے کہ انھوں نے نکلنے میں اردو دیوان کا

انتخاب کیا تھا کہ نہیں۔ اس سلسلے میں ملک رام لکھتے ہیں کہ دیوان کے پہلے ایڈیشن

کے ساتھ غالب کا اپنا فارسی دیباچہ اور آخر میں ضیاء الدین احمد خان کی تقریظ ہے جو ۱۲۵۳ھ میں لکھی تھی (ص ۱۶۵)۔ لیکن معتف نے اس اہم نکتے کو قلم انداز کر دیا کہ متداول دیوان کے دیباچے کی تاریخ ۲۲ ذی قعدہ ۱۲۴۸ھ ہے جو نظامی بدایونی نے کسی قلمی نسخے میں دیکھی تھی۔

تصانیف کے باب میں آخری جزو (ج) ”قاطع بہان“ کا معرکہ ہے کہ جس میں تمام ضروری معلومات تحقیق کے ساتھ یک جا کر دی ہیں۔ انھوں نے اس موضوع کو ”مبادات و اخلاق“ کے باب میں بھی لیا ہے۔ میں اس کے بیان کو یہیں لیتا ہوں۔
 وہ معتف ”قاطع بہان“ کے سلسلے میں لکھتے ہیں،

”بہر حال ایک بات بالکل واضح ہو گئی کہ مرزا اپنے دعوے میں حق بجانب تھے۔ انھوں نے یہ ثابت کر دیا کہ ہندوستانی فارسی داس ہرگز قابل اعتبار نہیں۔“ (ص ۱۶۶)

یہ دعویٰ غالب کی طرف داری معلوم ہوتا ہے۔ قاضی عبدالودود نے اپنے مضمون ”غلاب بحیثیت محقق“ میں دکھایا کہ غالب کی فارسی دانگی افراط سے غلیظ نہیں، نہ صرف فارسی بلکہ انھوں نے اردو زبان بھی غلط استعمال کی ہے اور وہ علوم ادبیہ، عروض و قافیہ وغیرہ کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

قاضی صاحب نے اپنے نام حافظ محمود شیرانی کا ایک خط شائع کیا ہے جس کا ایک اقتباس یہ ہے،

”غالب کو فن لغت اور اس کی روایات سے کچھ دل چسپی نہیں معلوم ہوتی۔ وہ ایک شخص کو جو ان سے دو صدی قبل گزرا ہے اور جس کا دعویٰ ہے کہ میری حیثیت ایک محقق کی ہے نہ موجد کی، اپنی طباطبائی اور نہایت کا نشانہ نہ بناتے۔ بہان قاطع لی قدر اس وقت معلوم ہوتی ہے جب خود ایرانیوں کو اس کا حوالہ دیتے دیکھتے ہیں۔“

(غلاب بحیثیت محقق، غم غلاب، ص ۱۳۱)

ڈاکٹر منیر احمد کی رائے ہے،

”مگر چہ مرزا غالب کے اکثر اعتراضات غلط ہیں، لیکن اس سے یہ اندازہ لگایا صحیح نہ ہو گا کہ بہانہ قاطع ہر طرح کے استقام سے پاک ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس فرہنگ میں بعض بنیادی خرابیاں ہیں، لیکن غالب مسائل فرہنگ نویسی سے گناہ حقہ آگاہ نہ تھے، اس بنا پر ان کی نظر ان خرابیوں تک نہ پہنچ سکی۔“

(تقدیر قاطع بہانہ، ص ۱۰۷، ۱۰۸)

ملک رام ”قاطع بہانہ“ کے علمی مزاج میں غالب کی گنتی بھی طرف داری کریں، لیکن اس کے بجائے کے بارے میں سب لاک اور خیر چاہ دار ہیں۔ غالب کی اصحاب ”قاطع بہانہ“ پر لکھتے ہیں،

”پھر اس کے بعد جس طرح شرم و حیا اور تہذیب و شرافت کی مٹی پلید ہوئی، وہ ہماری ادنیٰ حیرت کا بہت ہی وقوس ناک باب ہے، لیکن اس کی بات یہ ہے کہ اگر ”الہادیٰ اعظم“ کے اصول سے دیکھا جائے تو اس کے لیے بہت حد تک میرزا خود ذمے دار تھے۔ انھوں نے اپنی درشت گفتاری کی جو توجیہ کی ہے، وہ بہت بڑی ہے۔“ (ص ۲۳۸)

واضح ہو کہ ”ذکر غالب“ طبع دوم میں انھوں نے غالب سے زیادہ ان کے مخالفین کو پھٹکڑ بازی کا مجرم قرار دیا تھا، شرم و حیا اور تہذیب و شرافت کی مٹی پلید کرنے کا ذمے دار غالب کے مخالفین کو ٹھہرایا تھا۔ قاضی عبدالودود کے اعتراض کے بعد مخالفین کی بات حذف کر کے اسے عمومی بنا دیا۔

”ذکر غالب“ کا میرا باب ”عادات و اخلاق“ ہے۔ اس کا بستر عنوان ”شخصیت“ ہو سکتا تھا۔ یہ باب بھی بہت مفصل اور بھرپور ہے۔ ملاحظاً لباس کے عنوان کو دیکھیے، معلوم ہوتا ہے معقف برسوں، رات دن مرزا کے ساتھ رہے ہیں۔ یہ جزئیات اور کہیں دکھائی نہیں دیں، کم از کم ”یادگار غالب“ میں تو نہیں۔ موتی میں سکونت“ کے عنوان کے تحت ان مکالموں کی تفصیلات ہیں جن میں مرزا رہے ہیں۔ ان میں میرے

لیے سب سے زیادہ چونکانے والی بات یہ ہے کہ نواب انور اللہ کے نام ایک عہری خط میں لکھتے ہیں کہ "۳۰ سال ہوئے کہ میں نے خانہ و کاشانہ فروخت کر دیا ہے۔" اس خط پر کوئی تاریخ درج نہیں، لیکن ملک رام کا قیاس ہے کہ یہ ۱۸۵۵ء سے پہلے کا ہے۔ ممکن ہے انھوں نے لکھنے کے سفر سے پہلے ذاتی مکان کو اونے پونے فروخت کر دیا ہو کیونکہ سفر کے لیے بڑی رقم درکار تھی (ص ۱۹۹)۔

معتف نے غالب کی اس بات پر داد دی ہے کہ واجد علی شاہ معزول ہو گئے جب بھی غالب نے ان کے لیے قصیدہ لکھ کر بھیجا (ص ۱۳۳)۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ غالب نے ان کی معزولی کے بعد بھی مدح سرائی سے ہاتھ نہ کھینچا۔ غالب کے مذہب کے سلسلے میں معتف لکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے شیعہ اور سنی دونوں مسلکوں کے دوستوں پر اپنی شیعیت کا اظہار کیا۔ ص ۲۳۲ پر مجروح کے نام کے خط کے بعد قوسین میں لکھتے ہیں (مجروح سنی)۔

میرے سامنے کالی داس گپتا رضا کا موزکر غالب کا نسخہ ہے۔ انھوں نے یہاں "سنی" کاٹ کر "شیعہ" لکھا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں معتف یا کالج نے سوا "سنی" لکھ دیا ہو گا، کیونکہ ملک رام نے طلحۃ غالب میں مجروح کو سرخا "ابن عسکری شیعہ" لکھا ہے، طلحہ دوم، ص ۷۷۔

ملک رام مسلک کے بارے میں غالب کی وسعت نظر کی یوں نشان دہی کرتے ہیں۔
 "شیعیت کو اگرچہ بکلی کی حیثیت سے تو بے شک نہیں، لیکن بالعموم تصوف ہے ایسا قسم کا بغیر ضرور رہا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شیخ اور بیعت کا تصور سرے سے مٹا ہوا ہے۔" (ص ۲۳۸)

اس کے باوجود غالب اپنے صوفی ہونے کا بھی شد و مد سے اظہار کرتے ہیں،
 "وہ حضرت مولانا غفر الدین کے پوتے مولانا نصیر الدین عرف میں کا۔
 سے بیعت بھی تھے۔ کون کثر شیعہ کسی غیر شیعہ، سنی، صوفی کے ہاتھ پر بہت کرے گا؟" (ص ۲۳۵)

قاضی عبدالودود نے اپنے تبصرے میں اس بیان کے اخذ کے عدم اطمینان پر اعتراض کیا تھا۔ طبع عظیم میں حادثے میں میر ممدی مجروح کے خط کا حوالہ دیتے ہیں،
 "سنو، میر نصیر الدین اولاد میں سے ہیں شاہ محمود اعظم صاحب کے۔ وہ
 خلیفہ تھے مولوی فخر الدین صاحب کے، اور میں مرید ہوں اس خاندان کا۔"
 المصروفہ، صفحہ ۱۳۸۔

ملک رام واضح کرتے ہیں،

"مولانا فخر الدین اور ان کے صاحب زادے مولانا غلام قطب الدین دونوں
 کا آگے چلے ۱۵۷۷ء میں یعنی غالب کی ولادت سے بارہ تیرہ برس پہلے انتقال
 ہوا۔ ظاہر ہے کہ وہ مولانا غلام قطب الدین کے صاحب زادے میں کالے
 صاحب ہی کے مرید ہو سکتے ہیں۔" (صفحہ ۲۳۹)۔

ملک رام کا استدلال درست ہو سکتا ہے، لیکن غالب نے "بیعت" کا لفظ استعمال
 نہیں کیا، صرف مرید ہونا لکھا ہے اور وہ بھی میں کالے ہی کا نہیں بلکہ اس پورے
 خاندان کا۔ مرید ہونے سے کہیں ان کی مراد محض عقیدت مندی تو نہیں؟ ہر مال
 مصنف نے بڑی خوبی سے غالب کے مسلک کی سیر چشمی افشا کی ہے۔ اس باب کے
 آخری حصے میں مصنف نے ایک بہت دل چسپ منظومیت بم پھپھائی ہے جس سے میں
 واقف نہ تھا،

"ہن میں ایک صفت ایسی تھی جو ترکوں میں نہیں پائی جاتی۔ ترکوں میں
 ایسا اور اعتراض کا مادہ سرے سے نہیں۔ آپ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کر
 سکتے جہاں کسی ترک نے کسی میدان میں کوئی نئی دریافت کی ہو۔ میرزا اس
 کلیے سے مصطفیٰ تھے۔" (ص ۲۵۴)

زمن یہ ہے کہ اس باب میں غالب کی نفسیت، محبت، عقیدت، ادب، نفرت
 وغیرہ کا مطالعہ خوب خوب ہے۔

غلام الدین احمد اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

”امروا نیگم، حسین علی خاں اور باقر علی خاں کے شہینہ وفات اور

حسین علی خاں کے مدفن کے مطبوعات پہلی مرتبہ اسی کتاب میں ملے ہیں۔“

(ذکر غالب، مشہور ”ہلک رام“ ایک مطالعہ، ص ۵۰)

”ذکر غالب“ سورج غالب کا مستند گنجینہ ہے، یہی وجہ ہے کہ غالب کی زندگی کے

واقعات اور تصانیف کے بارے میں کچھ جانتا ہو تو ہم ”ذکر غالب“ پر جس قدر اعتماد کر سکتے ہیں، اس کا کسی اور سورج غری غالب پر نہیں۔

مرزا غالب (انگریزی)

یہ کتاب نیشنل بک ٹرسٹ انڈیا، نئی دہلی نے کھلائی ہے۔ انھوں نے قوی

سورج غریوں کا سلسلہ شروع کیا اور یہ اس سلسلے کی چوبیسویں کتاب ہے۔ اس کا پہلا

ایڈیشن ۱۹۸۸ء میں اور دوسرا ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا، میرے سامنے آخر الذکر ہے۔ اس

میں قن کے ۸۸ صفحے ہیں۔ عرض ملیپٹی اپنے مضمون ”نگارشات ہلک رام“ میں اطلاع

دیتے ہیں کہ اس کتاب کا ترجمہ ذیل کی زبانوں میں ہو چکا ہے،

”ہندی، پنجابی، بگراتی، مراٹھی، تملگو۔۔۔ اس کا اردو ترجمہ پاکستان میں

مولوی محمد اسماعیل پانی پتی نے کیا ہے۔“

(اردو بک، نکل، ص ۵۰)

اس کتاب میں دو جواب ہیں۔ پہلا طویل باب سورج کا ہے اور ۵۸ صفحات کو محیط

ہے اس میں غیر اردو قارئین کے لیے غالب کی سورج کو جس اختصار لیکن جامعیت کے

ساتھ پیش کیا ہے، اسے دیکھ کر عجب عجب کرنا چاہتا ہے۔ تاگر میں ساگر کی بہترین مثال

ہے۔ مصنف کی انگریزی پر قدرت بھی داد طلب ہے۔ سورج کے سلسلے میں لکھتے ہیں،

”اس کے ایک فارسی خط سے مطوم ہونا ہے کہ اس نے اپنا ذاتی مکان

بھی خرید لیا تھا اور اس میں قفل ہو گیا تھا۔ لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ وہ اپنے

خسر الہی بخش خاں کے ساتھ کب تک مقیم رہا۔“ (ص ۵۰)

دوسرے مختصر باب کا عنوان " غالب کا آرٹ " ہے۔ اس میں عین صحت کی قیاسی بحث کے بعد ۱۸۵۶ء میں غالب کی منتخب غزلوں کے تراجم مختلف عنوانات کے تحت دیے ہیں۔ ترجمے مثنی نظم میں معظم ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خود مصنف کے لیے ہوئے ہیں۔

کتاب جس سلیبے ہوئے انداز، ایجاز و استنباط کے ساتھ لکھی گئی ہے، اسے دیکھ کر ہی چاہتا ہے کہ یہ اردو میں بھی ان قدر عین کے لیے پیش کر دی جائے جو سورج غالب کی تحقیقی موشگافیوں سے دل چسپی نہیں رکھتے بلکہ سورج کے بارے میں ضروری معلومات چاہتے ہیں۔ پاکستان میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے، اسی کو ہندوستان میں بھی چھاپ دینا چاہیے۔

تلاذۃ غالب

بعض محررے کسی ایک ہی استاد کے شاگردوں کے حالات پر مشتمل ہوتے ہیں، مثلاً مولوی لال امیں کا محررہ " امیں الاحباب " مرزا خانر کین کے شاگردوں کا محررہ ہے۔ مالک رام نے بھی ایک جامع محررہ " تلاذۃ غالب " کے نام سے مرتب کیا۔ اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہوئے ہیں۔ ۱۔ طبع اولیٰ ادارۃ تصنیف و تالیف، نکلودر (پنجاب) ۱۹۵۸ء - ۲۔ دوسرا اضافہ و ترمیم شدہ ایڈیشن مکتبہ جامعہ، دہلی، ۱۹۵۳ء۔ مصنف نے طبع دوم کے پہلے ہی کتاب کی کتاب خوردل یوں بیان کی ہے،

" وہ ۳۹ - ۱۹۳۸ء میں مرزا قتیل کے حالات کی تحقیق کر رہے تھے۔ اسی سے خیال ہوا کہ کیوں نہ غالب کے شاگردوں کے حالات جمع کر دیے جائیں۔ اگلے ۱۵ سال وہ مسلسل تلاذمت ملک سے باہر رہے، لیکن وہاں رہتے ہوئے بھی تلاذۃ غالب کی حیداری کرتے رہے۔ اخیر ۱۹۵۳ء سے اخیر ۱۹۵۸ء تک وہ ہندوستان میں رہے جہاں ۱۹۵۸ء میں کتاب شائع ہوئی۔ اس میں غالب کے ۱۳۶ شاگردوں کے حالات اور نمونہ کلام مختلف قلمی اور مطبوعہ کتابوں اور رسالوں

سے لے کر ترمیم دیے ہیں۔ ان کے علاوہ حواشی میں دوسرے ۲۹ حضرات کے حالات ہیں جو غالب کے شاگرد نہیں۔

”طلّذہ غالب“ طبعِ اوّل پر بہت سے تبصرے شائع ہوئے جن میں خوبوں کے احترام کے ساتھ اغلاط کی تصحیح بھی کی گئی ہے۔ ان میں سب سے اچھا مضمون ڈاکٹر حنیف نقوی کا ”طلّذہ غالب پر ایک نظر“ رسالہ اکادمی لکھنؤ، بہار جنوری فروری ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا۔ ملک رام نے ”طلّذہ غالب“ طبعِ دوم کے دیباچے میں اسی مضمون کو بہترین بتایا ہے۔ حنیف نے اپنے مضمون میں دوسرے تبصرہوں کی یہ فہرست دی ہے

- ۱۔ محکمین کاظمی تحریکِ دلی، مارچ ۱۹۵۹ء
- ۲۔ شہد احمد فاروقی ۱۹۵۹ء۔ پز طباعت، طاش غالب، ۱۹۶۹ء
- ۳۔ مشتاق خواجہ غالب اور طلّذہ غالب جو کراۓ بشیر میں۔ رسالہ اردو کراچی، غالب نمبر، جنوری مارچ ۱۹۶۹ء
- ۴۔ کھپ علی خان فائز رام پوری کچھ طلّذہ غالب کے بارے میں
- ۵۔ ڈاکٹر وحید قریشی طلّذہ غالب، ایو نو کراچی، جنوری فروری ۱۹۶۹ء
- ۶۔ مہیث الدین فریدی طلّذہ غالب کی تاریخی غلطیاں، مشمولہ ۱۳ اردو تحقیق اور ملک رام، ۱۹۷۵ء (رسالہ اکادمی لکھنؤ،

جنوری فروری ۱۹۸۵ء، ص ۱۶-۱۷)

حنیف نقوی کے مضمون کے علاوہ شہد احمد فاروقی کا مضمون بھی اہم ہے۔ ان تبصرہوں اور اپنی ذاتی تحقیق کی مدد سے ملک رام نے دوسرے ایڈیشن میں کافی ترمیم و تصحیح و اصلاح کیا۔ پہلے ایڈیشن میں ۷۵ شاگردوں کے حالات ہیں، دوسرے میں ۱۵۵ کے ان میں شامل کیجئے جیسے کے حکیم سولانا، بخش قلق سیر فی کو جو غالب کے باخابطہ شاگرد نہیں تھے، لیکن غالب نے ان سے استعصاب کیے بغیر ان کے انگریزی نظموں کے منظوم تراجم کی اصلاح کر دی تھی۔ دوسرے ایڈیشن میں طبعِ اوّل کے دو ایک نام حذف کر دیے ہیں، کیونکہ ان کا شاگرد غالب ہونا مشکوک تھا۔ طبعِ اوّل میں حواشی میں

ان ۲۹ حضرات کے حالات ہیں جو شاکر دہلوی نے طبع دوم میں لیے تھے۔ ان حضرات کی تعداد ۳۰ ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر خلیف نقوی نے "طلحہ غالب" طبع دوم پر بھی تبصرہ لکھا، طلحہ غالب (طبع مئی) پر ایک نظر، اکبری، گھنٹو، جولائی اگست ۱۹۸۹ء۔

خلیف نے اپنے دونوں مضامین میں بنیاد پر منتز تعلیمات اور احاطے تجویز کیے ہیں جن میں سے بہت سے غالب کے مشہور شاکر دہلوی کے حالات میں ہیں۔ ان کے دونوں تبصرے ان کے مجموعے "غالب، احوال و آثار" (گھنٹو، ۱۹۹۰ء) میں شامل ہیں۔

"ارمغان ملک" میں عرض طیبی نے لکھا ہے کہ "طلحہ غالب" میں غالب کے ۳۰ شاکر دہلوی کی تصویریں ہیں، لیکن "طلحہ" کی طبع اول کے دیباچے میں صرف ۲۷ تصویروں کے تاخذ کی اطلاع دی ہے۔ ان میں ذکی شخص کے محض ایک شاعر کی تصویر کا نام بتایا جا رہا ہے، جبکہ تن میں ذکی شخص کے دو شاعروں کی تصویریں ہیں۔ دیباچے میں مستدرج حکیم محمود الحق محمود دہلوی کی تصویر کتاب سے غیر حاضر ہے، پریس میں چھپنے سے روک گئی ہو گی۔ دوسرے ایڈیشن میں بھی یہ تصویر نہیں، اس ایڈیشن میں سات نئی تصویریں ہیں، اس طرح طبع دوم میں واقعی محض ۳۲ تصویریں ہیں۔

طبع اول کے دیباچے میں تصویروں کے تاخذ درج کرتے وقت دو ناموں کو غلط لکھ دیا ہے، "رنگی، نواب محمد اسماعیل خان باقالب میرٹھ (نواب محمد اسماعیل خان مرحوم) کے صاحب زاوے اور رنگی کے بھتیجے۔"

یہاں رنگی شخص کے آگے کسی القباس کے تحت ان کے بھتیجے کا ذکر کر دیا ہے۔ طبع دوم کے متن میں رنگی کا نام نواب محمد علی خان ہے اور یہ شیفہ کے بھتیجے ہیں، یہی کلیتہً شوکت کی ہے۔ دیباچے میں ان کا نام یوں لکھا ہے،

"شوکت، جناب میاں محمد مکرم خان بھوپال (شوکت کے پوتے) بواسطہ

جناب نام سجاد پوری۔"

طبع دوم کے متن میں ان کا صحیح نام یار محمد خان دیا ہے، لیکن ان کی تصور غیر حاضر ہے۔ ظاہر ہے، دیباچے میں شوکت شخص کے آگے ان کے پوتے کا نام لکھ دیا ہے۔

معلوم نہیں، اس قسم کا التباس کیونکر ہوا۔ معتف طبع دوم کے دیباچے میں جس فصیح کرتے ہیں کہ حیدر آباد سے شائع ہونے والی کتاب ”ذکر سلک“ میں سلک کی جو تصویر دی ہے، وہ دراصل سراج الدین احمد خان سائل کے عبد شہاب کی تصویر ہے (طبع دوم، ص ۱۳)۔

اس سحر کے کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر شاگرد کے حالات کے فوراً بعد تآخذ کا اظہار کر دیا ہے۔ کئی ایسے اصحاب ہیں جنہیں بعض لوگوں نے غالب کا شاگرد کہا ہے، لیکن مالک رام اسے نہیں ملتے، اس لیے انہیں اس بزم میں پذیر نہیں دیا، مثلاً باقر علی خان کابل، نظام رام پوری، بخاری لعل شہد، سید محمود آزاد وغیرہ۔

کون غالب کا شاگرد ہے اور کون نہیں، بعض صورتوں میں اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے، بڑے بڑے علما و صوفا کا کھا جاتے ہیں۔ دیباچہ طبع اول میں مالک رام نے اطلاع دی کہ نسلخ، خواجہ عبدالرؤف عشرت، حسرت موہانی، معتف ”مشرقِ بنگال میں اردو“ نے بعض سہیتہ شاگردوں کا غلط احتساب کیا۔ دوسری طرف وہ ایک گل دستہ ”ترقی سخن“ بجینی، شہرہ نومبر ۱۹۳۳ء سے ایک شاعر ڈاکٹر خدا حسین علیہ غالب کی ایک غزل درج کرتے ہیں۔ غزل ادا اور سراسر مصل ہے، کسی نے استعارے کے طور پر لکھ دی ہو گی۔ مالک رام صاحب نے اس شخص کو شاگردوں کی فہرست میں بجا طور پر جگہ نہیں دی۔ حیدر آباد میں عبدالصمد خان نے گل دستوں میں عجے دو ایک شعرا کا کلام دکھایا جن میں انہیں غالب کا شاگرد لکھ دیا گیا تھا۔ بعض بھول الام شاعر خود کو معتبر بنانے کے لیے شاگردی غالب کا دعویٰ کر دیتے تھے۔

رسالہ ”اردو“ غالب نمبر ۱۹۳۹ء میں مضمون نگار کے نام کے بغیر مضمون شائع ہوا ”غالب اور طلحہ غالب سحرکے بشیر میں“۔ چونکہ اس کی قسید کے نیچے مشفق خواجہ کا نام درج ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہی مضمون نگار ہیں۔ انہوں نے کئی شاگردوں کا ذکر کیا جن میں سے میں نے ”طلحہ غالب“ طبع دوم میں ملتے ہیں، چند نہیں۔ مالک رام نے انہیں متحیر نہیں مانا ہو گا۔ اسی پرچے میں کب علی خان فائق رام پوری کا مضمون ”کچھ طلحہ غالب کے بارے میں“ ہے۔ انہوں نے

”ٹائڈہ غالب“ طبع اول میں مذکور سید محمد سلطان مائل کو غالب کا شاگرد نہیں بلکہ مالک رام نے طبع دوم میں بھی انھیں شامل کیا ہے۔ فائق نے بخاری لال شط کو پل کند بے صبر کے علاوہ غالب کا بھی شاگرد قرار دیا۔ مالک رام اس سے بھی حقیق نہیں۔ فائق نے حسب ذیل نئے شاگردوں کا اضافہ کیا۔

افضل علی ابر، محمد دلاور علی ماقب، نواب محمد حسین علی سلطان نسیم، غنی حور علی حور، حکیم مسیح الزماں مطلوب مراد آبادی۔

مالک رام نے ان میں سے صرف نسیم کو طبع دوم میں جگہ دی، وہ بھی کسی دوسرے ماخذ کے حوالے سے، جیہ ہاموں میں سے کسی کو شامل نہیں کیا۔ اکثر مضمون نگار نہیں بھی کسی شاعر کو شاگرد غالب لکھا دیکھ کر اس کا نام ٹائڈہ کی فہرست میں داخل کر دیتے ہیں، ان کی دریافت جو ٹھہری۔ مالک رام جب تک مطمئن نہیں ہو جاتے، ایمان نہیں لانے۔ رسالہ ”اروہ“ غالب نمبر ۱۹۶۹ء ان کے ماخذ میں ہے۔ اس کے باوجود اگر انھوں نے فائق کے نو دریافت شعرا کو بزم ٹائڈہ میں بار نہیں دیا تو اس کی یہی وجہ ہوگی کہ وہ شہادت کو ٹھکانی سمجھتے ہوں گے۔

نثار احمد فاروقی نے اپنے نمونے ”طاش غالب“ میں اس کتاب پر تہرہ کیا ہے۔ اس کی خوبیوں کا بھرپور اعتراف کر کے انھوں نے بعض جزئیات کی اصلاح کی ہے جن میں قابل ذکر یہ ہیں۔

الف۔ ”ٹائڈہ“ کی طبع اول میں لکھا تھا کہ فارسی اور عربی میں حالی کا مختصر دلوان موجود ہے۔ نثار صاحب نے واضح کیا کہ ان زبانوں میں حالی کا کچھ کلام ملتا ہے لیکن دلوان نہیں۔ طبع دوم میں مالک رام نے وضاحت سے اس پر لکھا۔

”اروہ کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی پاکستان دست گاہ تھی۔ ان زبانوں

میں ان کا دلوان مختصر، ضمیمہ اروہ کلیات حالی مشتمل بر نظم و نثر فارسی و

عربی ان کی وفات سے چند ماہ پیش تر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوا تھا۔“

(تھکے ہند پریس، دہلی)

ب۔ قاضی حمایت حسین بدایونی رشتی کے لیے خادمی نے دعویٰ کیا ہے کہ ان کا شخص اٹھل تھا، رشتی نہیں۔

ج۔ ثناء احمد فاروقی نے ایسے ۳۳ شعرا کی فہرست دی جن کے عہد کی کوئی سند نہیں دی گئی جس کی وجہ سے ان کا عہد مشکوک ہے۔ "طلحہ" کی طبع دوم میں ہر شاعر کے حالات کے بعد عہد کا اعداد کر دیا ہے۔

د۔ انگلنڈر ہیڈلے آزاد کو حد کرے میں جگہ نہیں دی گئی، حالانکہ وہ بالیقین غالب کے شاعر تھے۔

ملک رام نے طبع دوم کے دیباچے میں دو مغللوں پر بحث کر کے ثابت کیا کہ آزاد غالب کے نہیں، دین العابدین خاں عارف کے شاعر تھے۔ اس سلسلے میں دلیل قاطع آزاد کے بڑے بھائی داس سیڈلے کا اردو دیوان ہے جس کے دیباچے میں آزاد کو صریحاً عارف کا شاعر لکھا ہے۔

۵۔ شعرا کے نمونہ ملام سے ثناء صاحب نے ایسے ۳۱ مصرعے نقل کیے ہیں جو غیر موزوں ہیں۔ انھوں نے ان سب کی قیدی تصحیح کی ہے۔ غیر موزونیت کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں، سہو کتابت یا عدا القیاس مرقب۔ اگر کاتب سے غلطی ہوئی تو جناب مرقب کو اس کی تصحیح کر دینی چاہیے تھی۔ اگر اصلی ہاتھ میں مصرع غلط ہے تو قوسین میں "کذا" لکھ دینا چاہیے تھا۔ بصورت موجودہ مہتر یا قادی یہ سوچنے میں حق بجانب ہو گا کہ فاضل مرقب ماموزوں مصرعوں کی شناخت ہی نہ کر سکے۔

ثناء صاحب کی چند عروضی تصحیحات کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۔ قطرے میں بحر کا تھا

نقشہ ہے خدائی کا بھر میں

(طلحہ، ص ۳۰)

ثناء صاحب پہلے مصرع کی اصلاح کرتے ہیں،

قطرے میں ہے بحر کا تھا

میں عرض کرتا ہوں کہ

مقطرے میں بحر کا تماچہ بھی موزوں ہے مفتول فاعل لعل کے وزن پر۔

۲۔ مستقر پر زاہد نہ کرے کیونکر نکلیے

ہم فقیروں کو ہوا لعل خدا پر نکلیے

(اظہار جالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی "مستقر" یعنی

مستقر پر زاہد نہ کرے کیونکر نکلیے

"مستقر" یہاں بے معنی ہے نیز مصرع اب بھی غیر موزوں رہا۔ صحیح یوں ہو سکتا ہے۔

مستقر پر زاہد کرے کیونکر نکلیے

پہنچے یوں غیر قری مستقر کم خواب کو داب

بابر غم کیونکر نہ ہوئے سر احباب کو داب

(اظہار جالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی کہ "کیونکر" کی جگہ "کیونکہ" چاہیے، لیکن یہاں

"کیونکہ" کا مقام نہیں، "کیونکہ" چاہیے۔ "کیونکر" کا مختلف "کیونکہ" نہیں، "کیونکہ"

ہوتا ہے۔

۳۔ تاراج جلوس آں شہر والا قدر

آہ بلب خود "چراغ دلی"

(اظہار جالب، ص ۱۵۷)

نثار صاحب نے اصلاح کی "بلب خود" کی جگہ "بے لب خود" چاہیے۔ یہ شعر دہائی

کے وزن میں ہے۔ میں نثار صاحب کی اصلاح کو نہیں سمجھ سکا، کیونکہ "بلب خود" کو

"بے لب خود" سمجھ دینے سے لفظ اور وزن میں کوئی فرق نہیں پڑتا، دونوں طرح مصرع

غیر موزوں رہتا ہے۔ کلیات صہبائی میری دسترس میں نہیں۔ نہیں کہہ سکتا کہ اصل

مصرع کیا تھا۔ اگر "بلب خود" کی جگہ "بزبان خود" ہو تو مصرع موزوں ہو جاتا ہے۔

۵۔ نشاط : دل سے پہنچتا دہر کعبہ والے واں بھی
نشانِ یادِ گرم پایا ، پڑا تھا صاف دیراند
(طبع ناول، ص ۱۷۷)

نثار صاحب لکھتے ہیں، "صحیح، نشاط ہم لے"۔ انھوں نے یہ توجہ نہیں کی کہ اس اصلاح سے مصرع غلط در غلط ہو جائے گا، کیونکہ اس میں "ہم" کی "و" گرے گی جو جائز نہیں۔ "طلحۃ غالب"، طبع دوم میں اس مصرع کو نثار صاحب کی ترمیم کے مطابق لے، "نشاط ہم دل سے پہنچتا دہر کعبہ والے واں بھی" ہی لکھا ہے (ص ۱۷۷)۔ معلوم نہیں باصلاح کیا رہا ہو گا۔ "نشاط : اس دل — لے" ہو تو موزوں ہو جائے گا۔

۶۔ طے یوں لطف سے کھوں کو پیر سے خانہ
گرے جو بلند ساغر سے ، بنے تصویر سے خانہ
(طبع ناول، ص ۱۷۷)

نثار صاحب نے بجا لکھا ہے کہ "ایک لفظ لطف کے بعد چاہیے"۔ طبع دوم، ص ۱۷۷ پر اس مصرع کو مطابق طبع ناول لکھ کر بعد میں "کذا" لکھ دیا ہے۔ میرے نزدیک قیاسی تصحیح یوں ہو سکتی ہے، "طے یوں لطف (سے) جب سے کھوں سے پیر سے خانہ"، لیکن یہ محض قیاسی ہی رہے گی۔

ڈاکٹر نثار احمد قادری نے جہرہ بڑے مفصل مطالعے کے بعد لکھا ہے اور تسامحات کی نشان دہی بڑے احترام سے کی ہے۔

ایک اور مضمون مفتی الدین فریدی نے "طلحۃ غالب (ملک رام) کی ہمدردی ظلیوں ملکہ ہے"۔ یہ "اردو تحقیق اور ملک رام" میں شامل ہے۔ لفظ "ہمدردی" سے غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید اس میں نہانے سے مشتق سنیں کی ظلیوں کی نشان دہی کی ہو گی۔ اس مضمون میں دراصل طریقِ قبل کی ہمدرد کے آٹھ مصرعوں کی گرفت کی ہے۔ ان میں کچھ غلط کی ذمہ داری "طلحۃ غالب" کے متعلقہ آئندہ کے اندراج پر ہے۔ ملک رام نے انھیں حل کر کے نہ دیکھا ہو گا۔ ہم مختلف محروم میں جگہ جگہ "ہمدرد" کے تعلقات دیکھتے ہیں اور بالعموم انھیں صحیح مان لیتے ہیں، سب کا حساب نہیں

لگاتے۔ فریدی صاحب کی نشان زدہ بعض سٹاپس ایسی بھی ہیں جن میں مالک رام نے تاریخ نکالی لیکن حساب میں سو ہو گیا۔ لیکن یہ تو دیکھیے کہ کتاب میں سیکڑوں تاریخیں ہیں ان میں سے محض آٹھ فریدی صاحب کو غلط نظر آئیں۔

”طلذہ غالب“ میں شاہ باقر علی باقر بھاری اور خواجہ میر نواز حسین خان سخن کو بھی غالب کا شاعر بتایا ہے۔ سخن نے نہ صرف غالب کو اپنا استاد بلکہ اپنا بھی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے ”محبیۃ لاہور“ غالب نمبر حصہ سوم (جولائی ۱۹۶۹ء) میں ایک مضمون لکھا، غالب کے دو جعلی شاعر اور ایک جعلی شعر جس میں دعویٰ کیا کہ باقر اور سخن غالب کے شاعر نہیں تھے، نیز دیوان سخن پر غالب کی ”تقریر و مضمیٰ قصی“ غالب کی تخلیق نہ تھی۔ مالک رام صاحب نے ”طلذہ غالب“ طبع دوم میں ان دونوں شاعروں کو برقرار رکھا اور خلیق انجم کے اعتراضات کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس میں شک نہیں کہ غالب کے مشہور شاعروں کے حالات میں یہ محرکہ معلومات کا خزانہ ہے لیکن اتنے بڑے کام میں غلطیوں کے امکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا۔

حواشی

- (۱) - حاجی گل رحمان اور سفر گلکھو، ”مثنویات“ اور ہم، ”دلی“ ۱۹۹۳ء، ص ۳۳
- (۲) - مالک رام، ”ذکر غالب کچھ نئے حالات“، ”انکار“، کراچی، غالب نمبر ۱۹۶۹ء، ص ۳۶ تا ۵۳، نیز ”ذکر غالب“، طبع چارم، ص ۷ تا ۱۶، ”مثنویات“، دلی، ص ۳۳
- (۳) - شاعر احمد فاروقی، ”طلذہ غالب پر ایک نظر“، ”مثنویات“، ”طلذہ غالب“، دلی، ۱۹۶۹ء، ص ۵۹ - ۱۵۸

میرا باب

مضامین

ہلک رام نے غالب پر بکثرت مضامین لکھے، پچاس اردو میں اور دو انگریزی میں ملے ہیں۔ ممکن ہے ان کے علاوہ بھی اور کچھ ہوں۔ ان میں ذیل کے تین مضامین تنقیدی ہیں۔

- ۱۔ انسان کی خلافِ انیس مضمونہ "گفتارِ غالب"
- ۲۔ کلامِ غالب میں معاشرتی عناصر مضمونہ "گفتارِ غالب"
- ۳۔ غالب اور رقیب "فتوش" لاہور غالب نمبر حصہ اول

فروری ۱۹۶۹ء

ایک مضمون تخلیقی خاکہ ہے جو "میرزا غالب" کے عنوان سے پہلے تھپتھپا رہا احمد کے مرتبہ مجموعے "احوالِ غالب" میں اور پھر ہلک رام کے مجموعے "وہ صور میں الٹی" میں شائع ہوا۔ ان کے علاوہ اردو کے جیسے سب مضامین تخلیقی ہیں۔ میں نے ان میں وہ مضامین شامل نہیں کیے جو غالب کے ممدوحین کے احوال پر مشتمل ہیں اور جن کا موضوع غالب نہیں۔ ہلک رام نے اردو کے جملہ پچاس مضامین میں سے کافی بڑی تعداد کو اپنے مجموعوں میں شامل کر لیا ہے، یہ تفصیل ذیل،

۱	وہ صور میں الٹی ۱۹۴۳ء
۱۵	فلسفہ غالب ۱۹۷۷ء
۳۳	گفتارِ غالب ۱۹۸۵ء
۶	تخلیقی مضامین ۱۹۸۷ء
۳۵	کُل

غالب سے متعلق

ان کے علاوہ ذیل کے چندہ مضامین کی شیرازہ بندی نہیں ہوئی۔ وہ مختلف رسالوں یا دوسرے مجموعوں میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان میں سے دو ایک مضامین مجموعوں میں شامل دوسرے مضامین میں مدغم ہو گئے ہیں۔ یہ فہرست عرشِ طہیانی کے مضمون ”نگارشاتِ مالکِ رام“ مشمولہ ”ارمغانِ ملک“ جلد اول کی مدو سے تیار کی ہے۔ عرشِ صاحب نے مضامین کے صحیح عنوان دینے میں احتیاط نہیں کرتی۔

- ۳۶۔ غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر "ادبی دنیا"، ستمبر ۱۹۳۵ء
 ۳۷۔ غالب اور قسبل "ادبی دنیا"، مارچ ۱۹۳۰ء
 ۳۸۔ غالب کی اردو خطوط نوٹس کی تاریخ جامعہ، فروری ۱۹۳۲ء
 ۳۹۔ مرزا غالب اور امیرِ مینائی "نوائے ادب"، جنوری ۱۹۵۵ء
 ۴۰۔ بارخِ دو در "آج کل"، مارچ ۱۹۵۵ء
 ۴۱۔ غالب کا ایک شعر "آج کل"، فروری ۱۹۵۷ء
 ۴۲۔ غالب کا ایک گم شدہ قصیدہ "شاعر"، سال ہمارے ۱۹۶۰ء (یہ تحقیقی مضامین کے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے" میں ضم ہے)
 ۴۳۔ حبیرہ دیوانِ غالب نسخہ عرشی "منکر و نظر"، علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء
 ۴۴۔ غلطی پائے مضامین "باغِ نو"، اکتوبر ۱۹۶۳ء
 ۴۵۔ غالب شامی، جب اور اب "عیارِ غالب"، فروری ۱۹۶۹ء
 ۴۶۔ غالب اور رقیب "نقوش"، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۶۹ء
 ۴۷۔ غالب اور بچہ پی "مذہبِ مقبول"، جون پور، فروری ۱۹۷۰ء
 ۴۸۔ غالب کے نزدیک مقامِ انسان مشمولہ "بن الاقوامی غالب سیمینار"، دہلی ۱۹۷۰ء
 ۴۹۔ غالب کی نئی رہائی "تحریر"، شمارہ ۱۰۳، ۱۹۷۱ء
 ۵۰۔ غالب کی ایک اور سر "تحریر"، شمارہ ۱۰۴، ۱۹۷۱ء
 (یہ "قلمیہ غالب" کے مضمون "غالب کی سرس" میں ضم ہے)

ان مضامین سے ایک مجموعہ حیار کیا جاسکتا ہے۔ مالک رام نے اپنے مجموعوں میں یہ کوئی بھی کی کہ مضمون کے آخر میں اس کی نشان دہی نہیں کی کہ یہ مضمون سب سے پہلے کہاں شائع ہوا تھا۔ اپنے مضامین کے مجموعے مرتب کرتے وقت مصنفین یہ طریقہ اختیار کر لیں تو اس سے بعد کی تحقیق میں سہولت ہو۔ بحال مالک رام کے مضامین کے حصے پانچ مجموعے شائع ہوئے ہیں،

۱۔ وہ صور میں النبی ۱۹۷۳ء

۲۔ فسانہ غالب ۱۹۷۷ء

۳۔ اسلامیات ۱۹۷۳ء

۴۔ گفتار غالب ۱۹۷۵ء

۵۔ تحقیقی مضامین ۱۹۷۷ء

ان میں سے غالبیات کے صرف دو مجموعے ہیں "فسانہ غالب" اور "گفتار غالب"۔ وہ صور میں النبی "خاکوں کا مجموعہ ہے۔" "تحقیقی مضامین" میں چھ مضامین غالب سے متعلق ہیں اور سات مضامین دوسرے موضوعات پر ہیں۔ "اسلامیات" کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ اب میں ان مجموعوں میں سے غالبیات کو لیتا ہوں۔

وہ صور میں النبی (۱۹۷۳ء)

مرزا غالب، یہ عجیب بات ہے کہ مالک رام صاحب کے مضامین کا پہلا مجموعہ نہ غالبیات کا ہے، نہ عام تحقیق سے متعلق بلکہ لو (۱) انتہائی خاکوں کا مجموعہ ہے۔ "وہ صور میں النبی" میں ان لوگوں کے خاکے ہیں جن سے مالک رام مل چکے ہیں۔ ان میں سے سب سے پہلا اور سب سے دل چسپ خاکہ "مرزا غالب" ہے۔ اس مضمون کی تائید یہ ہے۔

یہ سب سے پہلے "علی گڑھ میگزین" غالب نمبر، جلد ۲۳، نمبر ۱۰، دسمبر ۱۹۷۳ء میں شائع ہوا۔ دراصل یہ شمارہ ۵۰۔ ۱۹۳۹ء میں آیا۔ اس وقت یہ مضمون ۱۱ صفحات کا تھا۔ تقریبی اور اضافوں کے بعد ۲۷ صفحات میں پھیل کر "اسوال غالب" (۱۹۵۳ء) میں

خلع ہوا۔ جیسی اور آخری بار ملک رام کے بھروسے " وہ صور میں الٹی " کی بیت الغزل بنا جہاں یہ ۳۶ سطحوں کو محیط ہے۔ اس پر قاضی عبدالودود نے ایک صفحے کا تبصرہ لکھا جو پہلے " معاشرہ " پٹنہ، حصہ ۹ میں شائع ہوا اور بعد میں " اردو تحقیق اور ملک رام " میں۔ اس میں قاضی صاحب نے چار تسامحات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ " وہ صور میں الٹی " میں شامل مضمون میں ملک رام صاحب نے اعتراض کے مقامات کی اصلاح کر لی ہے۔

اس مضمون کو خاکہ کیجئے، کہ سورج، کہ انتہائی، لکھا گیا بہت دل چسپ اور ادبی انداز میں ہے۔ اس کی عام بات یہ ہے کہ اس میں خود کو غالب کا ہم عصر بلکہ ان کا عزیز بنا کر پیش کیا ہے۔ وہاں سے میں لکھتے ہیں،

" آپ کہیں گے۔۔۔ غالب کا اس بھروسے میں شمول کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ تو اب میں آپ کو کیونکر یقین دلائں کہ غالب سے میری اکثر ملاقات رہی ہے اور میں نے انہیں بھی اتنے ہی قریب سے دیکھا ہے جتنا ان دوسرے بزرگوں کو جن کے حالات آپ اس کتب میں پائیں گے، بلکہ جسارت کروں تو کہہ سکتا ہوں کہ دوسروں کی موت کے بعد ان سے ملاقات واقعی متقطع ہو گئی، غالب سے تو آج تک جاری ہے، حالانکہ وہ جسمی لحاظ سے ان سب سے کہیں پہلے راہی ملک بنا ہوئے تھے۔"

(امجاد طبع دوم، جولائی ۱۹۷۰ء، ص ۸۱)

ان پر اعتراض کیا گیا کہ خود کو غالب کا ہم عصر اور حوزہ کیوں قرار دیا۔ دراصل یہ شخص ایک ادبی رحز ہے۔ کوئی بھی واقف کار اس معاملے میں جھٹکا نہیں ہو سکتا کہ ملک رام کے والد غالب کے دوست اور دور کے حوزہ تھے اور ملک رام غالب کے ہم عصر۔ لیکن سو ڈیڑھ سو سال بعد اس قسم کی تحریر سے غلط فہمی ہو سکتی ہے، بالخصوص اس صورت میں جبکہ دوسرے معاصرین قرار واقعی بیانات پر مشتمل ہیں، اس لیے مضمون کے شروع یا آخر میں یہ حاشیہ لگا دینا چاہیے کہ یہ خیالی الخانیہ ہے۔ اس پر ملا احترام سے رحز کا لطف جاتا رہتا، لیکن ایک ممکنہ غلط فہمی کا تو سد ہاپ ہو جاتا۔ اس

سے قطع نظر یہ مضمون نہ صرف ایک کامیاب انشائیہ خاکہ ہے بلکہ محمد غالب کے تہذیبی ماحول کی بھی بڑی اچھی باز آفرینی کرتا ہے۔ اس کی دل آویزی کی اس سے بڑی واد کیا ہو سکتی ہے کہ اپنے تہصرے کو کاظمی عبدالودود جیسے حقیقت پرست محقق نے ان الفاظ پر ختم کیا:

”اس تحریر کی دل کھنی میں کلام نہیں، مگر تحقیقی مضامین کے مجموعے میں افسانے کا شمول موزوں نہیں۔“

مجموعے سے مراد ”حوال غالب“ ہے۔ علی جوان زبیدی کے مرتبہ مجموعے سمٹک رام ایک مطالعہ ”کے دو مضمون تھوڑے۔ اس کی دل، کہانیاں، داد دی سے۔ شمس الرحمن فاروقی جیسے باخ بردار لکھنے والے مضمون کے ”حرف ملاحظہ ہوں۔

”سمٹک رام کے اس پارے مضمون میں وہی شان ہے جو اندر مودرا کی ان سوانح عمریوں میں ہے جن میں اس نے بعض انگریزی اور فرانسیسی ادیبوں کے حالات تولد کے طرز پر لکھے ہیں۔ اگر محقق کا یہ بھی منصب ہے (اور چھینا ہے) کہ وہ جس شخص یا زمانے کے بارے میں کچھ بہا ہے اس کو ہمارے سامنے زندہ کھڑا کر دے تو یہ مضمون اعلیٰ درجے کا تحقیقی کارنامہ ہے۔“

(سوانح غالب کا ایک پہلو اور سمٹک رام۔ مطالعہ، ص ۳۳۔ ۳۵)

اسلوب احمد انصاری کا مشاہدہ ہے،

”غالب کا جو تحقیقی خاکہ اس مجموعے میں شامل ہے۔ وہ غلامی کی چیز ہے۔ اس خاکے میں صیدہ و امجد حکم استعمال کر کے یہ القاب قائم کیا گیا ہے گویا کھنے والا غالب کا ہم عصر ہے، اس طرح یہ خاکہ تحقیقی تشکیل کا ایک منفرد اور نادر نمونہ بن گیا ہے۔ یہ تصویر ہر طرح سے قیاس، موزوں اور دل موہ لینے والی ہے اور اردو مرقع نگاری کی تاریخ میں اپنی بدست کی وجہ سے ہمیشہ یادگار رہے گی۔“

(سمٹک رام کی مرقع نگاری۔ مطالعہ، ص ۱۳۸)

اس مضمون کو لکھنے کے لیے میں نے جو اس خاکے پر نظر ڈالی تو اس نے اس طرح کھینچ کر پورا خاکہ لفظ بہ لفظ شروع سے آخر تک پڑھ گیا، حالانکہ اس سے پہلے بھی پڑھ چکا تھا۔ مجھے اس خاکے میں چند الفاظ اجنبی معلوم ہوئے۔ ان میں سے کچھ کے بارے میں محسوس کرتا تھا کہ وہ صحیح ہوں گے، بدواقفیت کی وجہ سے میں ان کے معنی نہیں سمجھتا، لیکن چند الفاظ کے بارے میں کھٹکتا تھا کہ شاید مالک رام صاحب نے اپنے روز مرہ کے لفظ کھ دیے ہیں جو اردو بول چال کے خلاف ہیں۔ ایسے جملہ الفاظ درج ذیل ہیں۔ صفحے کا حوالہ " احوال غالب " طبع دوم کا ہے کہ فی الوقت " وہ صور میں الٹی " میرے سامنے نہیں۔

ص ۹۷ دے، ص ۱۰۷ کتا چینی، ص ۱۰۷ لٹم پٹم، ص ۱۱۰ خرے، خریر، ص ۱۱۱ دست گرداں، ص ۱۱۷ غالب ظہ، ص ۱۱۷ چرک دھانس، ص ۱۱۸ نکسل۔

میں نے انھیں "مربطہ آصفیہ" میں تلاش کیا، "بگم کے علاوہ سب مل گئے۔ "لٹم پٹم" کے ساتھ لکھا تھا کہ نامے ہندی سے بھی ہے بلکہ عور میں "لٹم پٹم" ہی بولتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ غالب کی زبان سے "لٹم پٹم" کہلاوا بہتر ہوتا۔ کتا چینی، نکسل اور غالب ظہ کے الفاظ میں نے کبھی نہیں سنے تھے لیکن "آصفیہ" میں موجود ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت طویل عرصے تک دہلی میں رہنے کے سبب مالک رام میں اہل زبان کی ادائیں پیدا ہو گئی تھیں۔ اردو خاکہ نگاری میں ان کا یہ اضافہ ایک غیر معمولی خاکہ ہے جو تاجری، قلمی مرقع، انعامیہ، رپورٹ اور افسانہ، سب کے عناصر بغل میں دبائے ہوئے ہے۔ اپنے خاکوں کی وجہ سے مالک رام ایک اہم تخلیقی ادیب قرار پاتے ہیں۔

فسانہ غالب (۱۹۷۷ء)

"وہ صور میں الٹی" کے بعد ان کا دوسرا مجموعہ مضامین "فسانہ غالب" ہے۔ اس کے پندرہ مضامین میں سے بیس تر غالب کی سوانح سے متعلق ہیں انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ بہر غالبیات کے کیا معنی ہیں۔ ان پندرہ مضامین میں سے حمزہ کی

اشاعتِ ناول کی تاریخ عرضِ طبعی کے مضمون " نگارشات ملک رام " سے پہلے معلوم ہو سکی۔

- ۱۔ توقیت غالب نقشِ ناول در " ادبی دنیا " لاہور، جولائی ۱۹۳۲ء
- ۲۔ تاریخِ ولادت نقشِ مثنوی در " عیارِ غالب " مرقبہ ملک رام ۱۹۳۹ء
- ۳۔ ایک فارسی خط کی تاریخ ہاتھ نامعلوم
- ۴۔ میرزا یوسف صوبہ دس " حیدرآباد، ستمبر ۱۹۵۹ء
- ۵۔ عبدالصمد، استادِ غالب " نوائے ادب "، اپریل ۱۹۵۹ء
- ۶۔ غالب کی سرس " نوائے ادب "، جنوری ۱۹۵۳ء
- ۷۔ نواب شمس الدین خاں " ادبی دنیا "، اپریل ۱۹۳۱ء
- ۸۔ مقدمہٴ بخش کا عرضی و دعویٰ " آج کل "، فروری ۱۹۵۶ء
- ۹۔ قسبل پنجابی الاصل تھا " آج کل "، فروری ۱۹۵۳ء
- ۱۰۔ ایک محاصرہ دراج " آج کل "، فروری ۱۹۵۳ء
- ۱۱۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت " نگار"، جولائی ۱۹۳۶ء
- ۱۲۔ غالب سے غسوب دوسرا سکے " قسبل کا وطن "، ہاتھ نامعلوم
- ۱۳۔ دربارِ رام پور سے تعلقات " معارف "، اگست ۱۹۵۹ء
- ۱۴۔ غالب سوسائٹی " اردو "، جولائی ۱۹۵۴ء
- ۱۵۔ آزاد بنامِ غالب " اردو "، جولائی ۱۹۵۴ء
- ۱۶۔ قسبل کا مضمون غالب سے براہِ راست متعلق نہیں، لیکن وہ غالب کی زندگی کا ایک جزوِ لاینفک بن گیا ہے۔ غالب اسے لریہ آباد کا کھتری بچہ کہتے تھے۔
- ۱۷۔ ملک رام نے غالب کی تصحیح کر کے قسبل کا صحیح وطن معلوم کیا، اس لیے
- ۱۸۔ " فسانہ غالب " میں اس مضمون کے شمول کا جواز ہے۔ ذیل میں جیٹی ترجمان پر

اپنے مشاہدات پیش کرتا ہوں۔ ایسا کرتے وقت کالی داس گپتا رشنا کا مضمون 'فسانہ غالب' پیش نظر رکھوں گا جو 'مالک رام' ایک مطالعہ میں شامل ہے۔

پہلا مضمون 'توقیت غالب' ہے۔ اس میں غالب کی زندگی کے واقعات اور تصانیف کی اہم اور مستند تاریخیں دی ہیں جن میں غالب کے اقارب اور بعض اہم معاصرین کی تاریخیں بھی آگئی ہیں۔ کالی داس گپتا رشنا نے بھی اپنی کتاب 'دیوان غالب تاریخی ترمیم سے' (۱۹۸۸ء) میں 'توقیت غالب' دی ہے جو نقش ثانی ہونے کی وجہ سے مالک رام کے مضمون سے زیادہ مفصل ہے۔ کالی داس گپتا نے 'فسانہ غالب' پر اپنے مضمون میں مالک رام کی توقیت میں حسب ذیل تصحیحات کی ہیں۔

خواجہ حاجی کا انتقال سو کتابت سے ۱۸۵۵ء بھری میں دکھایا ہے، بیسوی ہونا چاہیے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ سد کے آگے قوسین میں سوالیہ نشان (؟) دیا ہے۔ سیاح کی حطائے فہمی کی تاریخ ۱۸۶۵ء لکھی ہے، ۱۸۶۳ء صحیح ہے۔ غالب کی تصانیف میں موعائے صبر کا ذکر چھوٹ گیا ہے۔ ایک اضافہ میں کرتا ہوں، مئی جون ۱۸۶۳ء میں جو اندراج ہے 'دیوان فارسی (کلیات نظم فارسی) کا دوسرا ایڈیشن'۔ چونکہ اس میں دیوان فارسی سے کافی زیادہ کلام ہے اور کتاب کا نام 'کلیات غالب' ہے، اس لیے اسے دیوان فارسی کا دوسرا ایڈیشن نہیں کہا جاسکتا۔

دوسرے مضمون 'تاریخ ولادت' ہے۔ بستر ہونا کہ عنوان 'غالب کی تاریخ ولادت' ہونا۔ کلیات غالب فارسی (طبع اول ۱۸۶۳ء، نول کھور پریس) میں ایک حقیقی قصہ کے ساتھ غالب کا زائچہ درج ہے جس میں ان کی تاریخ ولادت یک شنبہ، ہشتم رجب ۱۲۴۳ مطابق آغاز ۱۸۶۸ء درج ہے۔ اس میں ۱۲۴۳ء سو کتابت ہے۔ مولانا عرشی نے 'ماہ نو' جنوری فروری ۱۹۶۹ء میں اطلاع دی کہ اس کی ایک قدیم تر نسخہ کلیات کے قلمی نسخے (مترجمہ ۱۲۴۳/۱۸۶۸ء) مخزن رام پور میں ہے جہاں ۱۲۴۳ء میں لکھا ہے۔ غالب نے متعدد مقالات پر اپنی تاریخ ولادت ۸ رجب ۱۲۴۳ء لکھی ہے، لیکن وقت یہ ہے کہ اس دن یک شنبہ نہیں، چار شنبہ تھا اور یہ بھری تاریخ آغاز ۱۸۶۸ء بیسوی میں نہیں اور آخر ۱۸۶۷ء میں پڑتی ہے۔

یوم و تاریخ کی مطابقت کے لیے عرشی صاحب نے " آج کل " جولائی ۱۹۷۹ء میں دعویٰ کیا کہ صحیح پیدائش ۸ رجب ۱۲۳۴ھ نہیں بلکہ ۱۸ رجب ۱۲۳۴ھ ہے۔ اس تاریخ کو یک شنبہ بھی تھا اور آغاز ۱۷۹۸ء بھی۔ ملک رام صاحب نے انکشاف کیا کہ غالب نے کم از کم دو جگہ الفاظ میں اپنی تاریخ آٹھویں رجب لکھی ہے۔ اگر تحقیق میں اس طرح قیاسات کیے جائیں تو آمن ہی اٹھ جائے گا (" فسانہ غالب "، ص ۱۶۹)۔

انھوں نے نجوم سے متعلق دو مضامین کا بھی ذکر کیا۔ پہلا مضمون مسلم حنبلی کا اور دوسرا محمد حسین رضوی کا ہے۔ میں نے ان دونوں مضامین کا مطالعہ کیا۔ مسلم حنبلی کا مضمون " غالب کا زائچہ اور تاریخ ولادت "، " اردو نامہ "، کراچی، شمارہ ۲۷، مارچ ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ انھوں نے قہوم دیکھ کر ۸ رجب ۱۲۳۴ھ کے حق میں فیصلہ کیا کہ اس دن یک شنبہ تھا۔ وہ خود نجوم سے واقف نہیں، اس لیے انھوں نے پاکستان کے مشہور نجومی سید ہاجر حسن شاہ زبہانی سے رجوع کیا۔ زبہانی نے علم الجفر کی نڈ سے فیصلہ کیا کہ غالب کی صحیح پیدائش ۸ رجب ۱۲۳۴ھ، بروز یک شنبہ، صبح ۵ بج کر ۵۴ منٹ اور ۵۵ سیکنڈ ہے (" اردو نامہ "، ص ۱۷۱)۔ کراچی کے محمد حسین رضوی خود باہر نجوم ہیں۔ ان کا ۴۵ سطحوں کا مضمون " غالب کی صحیح تاریخ ولادت " " عیار غالب "، ۱۹۷۹ء، مز " اردو "، کراچی، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔ یہ بہت اصطلاحی مضمون ہے۔ انھوں نے ۸ رجب ۱۲۳۴ھ م ۸ جنوری ۱۷۹۷ء، بروز یک شنبہ، صبح ۵ بج کر ۴۶ منٹ کا حکم لگایا (" عیار غالب "، ص ۱۳۳، ۱۳۴)۔ انجمن ترقی اردو ہند کی قہوم جہی و جہوی، ایڈورڈ ہاؤس کی جرمن قہوم سے ماخوذ ہے۔ رضوی نے اس کے بارے میں ایک غلط فہمی کا مفید ازالہ کیا۔ اس قہوم میں عام طور پر سلسلہ دار ایک قری صیبا ۳۰ اور دوسرا ۲۹ دن کا فرض کر لیا گیا ہے، لیکن جیسا کہ نیچے ایل بیگ میں ثابت کیا گیا ہے، حقیقی روایت ہلال کے مطابق کبھی دو سے لے کر پانچ مہینے تک متواتر نہیں ہیں دن کے ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح کبھی کبھی دو عین مہینے متواتر ۲۹ دن کے ہو سکتے ہیں، اس لیے باہر اور انجمن کی قہوم کے مطابق معلوم کی ہوئی جہی تاریخ میں ایک دو اور کبھی عین دن تک کا فرق پڑ سکتا ہے۔ اس لیے جو حضرات کسی تحقیقی کام کے لیے

اس قیوم کو حرف آخر کچھ لیتے ہیں، وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں (ص ۱۳۶) اس موضوع پر حرف آخر ڈاکٹر ضیف احمد نقوی کا بہت طویل، بہت بلاستباب اور بہت مدلل مضمون، غالب کا سہلی ولادت ہے جو پہلے "غالب نامہ" دہلی جنوری ۱۹۸۵ء میں اور پھر ان کے مجموعے "غالب، احوال و آثار" (لکھنؤ، ۱۹۹۱ء) میں شائع ہوا۔ اسے پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ تحقیق کسے کچھ ہیں۔ انھوں نے مختلف متین کے بارے میں موافق و مخالف، جملہ بیانات کا تجزیہ کر کے طے کیا کہ غالب ۸ رجب ۱۲۳۰ء کو پیدا ہوئے تھے۔ ان کی وائسہ غلط بیانی کی محرک مقدمہ پٹیشن کی ضروریات تھیں (احوال و آثار، ص ۵۱)۔

غیرا مضمون ایک فارسی خط سے مشتق ہے جس میں تاریخ مکتوبات ۱۲۳۴ء دی ہے۔ خط کیا ہے، ایک طرح کی دستاویز ہے جو قرض وغیرہ سے مشتق ہے اور جس میں اپنی والدہ کی شدید بیماری کا ذکر کیا ہے۔ ظاہر ہے ۱۲۳۴ء میں، یعنی تھہ سات سال کی عمر میں غالب یہ فارسی دستاویز نہیں لکھ سکتے تھے۔ حالات کا جائزہ لے کر مالک رام صاحب نے طے کیا کہ یہ دراصل ۱۲۳۰ء ہے، ۱۲۳۴ء نہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی والدہ اس وقت تک زندہ تھیں۔ چونکہ یہ قہر محض ایک قیاس ہے، اس لیے میں اسے قطعی طور پر نہیں مان سکتا، ممکنہ ہی کے ذمے میں رکھوں گا۔

چوتھا مضمون "میرزا یوسف" ان کے بھائی کے بارے میں ہے۔ اس کے لیے انھوں نے قوی اثر کاؤڈ میں دو مسلسل تلاش کر کے مرزا یوسف کی بیوہ کا نام، ان کی درخواست و وعید اور اس پر مختلف عدسے داروں کی کارگزاری کی تفصیلات معلوم کیں۔ موصوفیہ میں غالب نے لکھا ہے کہ مرزا یوسف بخار سے مرے، لیکن مالک رام نے تحقیق کر کے ثابت کیا کہ وہ دورانِ عمر گھر سے نکلنے پر انگریز سپاہیوں کی گولی کا نشانہ بنے۔

پانچویں مضمون، عبدالصمد، استاد غالب ہے۔ قاضی عبدالودود نے "علی گڑھ میگزین" ۳۹، ۱۹۳۸ء میں ایک مضمون، غالب کا ایک قرضی استاد، لکھا جس میں عبدالصمد کے وجود خارجی سے انکار کیا۔ مالک رام نے "لوہے ادب" جنوری ۱۹۵۲ء

میں اپنے مضمون "عبدالصمد" استاذ غالبؒ میں نہ صرف عبدالصمد کی ہستی پر اصرار کیا بلکہ قاضی عبدالودود کے دلائل کا جواب بھی دیا۔ قاضی صاحب نے "احوال غالبؒ" میں شامل کرنے کے لیے اپنے مضمون میں اتنی ترمیم کی کہ قبولِ مرتبہ "احوال غالبؒ" قاضی عبدالودود صاحب نے عبدالصمد پر گویا نئے سرے سے دوسرا مضمون ہی لکھ ڈالا ہے۔ انھوں نے اس بار مضمون کا عنوان "بہرِ مزدِ ثم عبدالصمد" کر دیا۔ مضمون کے آخر میں ایک طویل اسدِ راک لکھ کر مالکِ رام صاحب کے دلائل کا جواب الجواب دیا۔ اس میں انھوں نے یہ جملہ بھی لکھ دیا۔

"اس کے ساتھ ساتھ اگر وہ یہ بھی لکھ دیتے کہ حالی و شیخو نے عبدالصمد سے ملاقات بھی کی تھی تو میں ان کا کچھ بگاڑ نہ سکتا۔"

(احوال غالبؒ، طبع دوم، ۲۵۰-۱۳۳۰)

مالکِ رام صاحب نے "فسانہ غالبؒ" میں اپنا مضمون شامل کرتے وقت اس پر نظر ثانی کی، چنانچہ وہاں قاضی صاحب مندرجہ بالا ریمارک نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

"مجھے واقعی سخت حیرت ہے کہ انھوں نے ایک سنجیدہ محقق کو یہ لبر اختیار کیا۔"

(فسانہ غالبؒ، ص ۷۷)

مالکِ رام نے قاضی صاحب کو اس درشت کلامی پر تو احتجاج کیا لیکن اس سے بھی زیادہ سخت حملے کو نظر انداز کر دیا۔ قاضی صاحب نے "احوال غالبؒ" میں اسدِ راک کے بعد تصحیح و اصلاح لکھا ہے اور پھر حواشی میں بھی ترمیم کی ہے۔ حاشیہ ۱۹ کے بارے میں اصلاح کرتے ہیں،

"ما محض معصفت بلارادہ النبی باہیں بڑھا دیا کرتے ہیں جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہوتا۔ اس کی ایک مثال جناب مالکِ رام کی یہ عبارت ہے جو "ذکر غالب" (احصاء ۲)، ص ۲۵ میں ہے،

"عبدالصمد اسلام قبول کرنے سے پہلے دروہنی مذہب کے موہد (کذا) تھے۔" (ص ۳۸)

اس میں انھوں نے ملک رام پر کئی الزامات لگائے ہیں،

۱۔ وہ ناچھیلا معصوف ہیں۔

۲۔ بالداروہ ایسی پامیں اضافہ کر دیتے ہیں جن کا کوئی ثبوت ان کے پاس نہیں ہو۔

۳۔ ایسی ایک مثال عبدالصمد کو پارسیوں کا موبد لکھتا ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔

۴۔ وہ موبد کا صحیح تلفظ نہیں جانتے، چنانچہ اس لفظ کو فتح اول سے لکھا ہے۔

داخل ہو کہ ”ذکر غالب“ طبع ختم میں یہ جملہ اس طرح ملتا ہے،

”اسلام قبول کرنے سے قبل وہ زردشتی مذہب کے پیرو تھے۔“ (ص ۳۳۵)

اس کے یہ معنی ہیں کہ وہ ”فسائد غالب“ کی ترویج سے پہلے قاضی صاحب کے

اعراض کو دیکھ چکے تھے جس کے تحت انھوں نے موبد کو بدل کر چروکر دیا، لیکن

مفسدات غالب“ کے مضمون میں قاضی صاحب کی گرفت کو پی گئے۔ میرے استفسار پر

کالی داس گپتا رخصانے ”قاطع بہان“ دیکھ کر مجھے لکھا کہ غالب نے کہیں عبدالصمد کو

موبد نہیں لکھا۔ اکتوبر ۱۹۹۳ء اس کے معنی یہ ملک رام کا اضافہ تھا۔

موبد کو فتح اولیٰ سے انھوں نے لکھا تھا یا کاتب نے، کما نہیں جاسکتا ”ذات اللغات“

میں اس لفظ کا تلفظ ضم اول و واو معروف سے ہے، لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ موبد و

سردیوی و جہانگیری میں ہ فتح اول ہے۔ میرے استفسار پر کالی داس گپتا رخصانے مجھے

لکھا،

”فرہنگ معین، قاضی صاحب کے نزدیک ناچیل، معتبر ترین لغت تھا۔

اس میں موبد اور موبد دونوں ہیں مگر موبد کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ اس

نے انگریزی میں یوں لکھا ہے، shaubad-mu، دونوں کا ذکر کر کے موبد کو

ترجیح دیجیے۔“

(کتب مؤرخ ۲۱ اگست ۱۹۹۳ء)

یہ دھپن دینے کے قابل ہے کہ قاضی صاحب کی تاریخا تحریرات کے مقابلے میں

ملک رام کا لہو ہر جگہ نہ احترام رہا ہے۔ وہ انھیں قاضی صاحب محترم، جناب قاضی

صاحب، جناب قاضی صاحب قبلہ لکھتے ہیں۔ کاش قاضی صاحب تحریر و تقریر میں

آداب شرافت کی طرف بھی کچھ توجہ کرتے:

میں نے زیرِ نظر مضمون کھینچے وقت ایک بار پھر قاضی صاحب کا مضمون پڑھا اور ان کے دلائل کو مٹنے پر مائل ہوا۔ پھر مالک رام صاحب کا مضمون پڑھا۔ انھوں نے قاضی صاحب کے اعتراضات کی جس قانونی انداز میں تردید کی ہے، ان سے متاثر ہونے بغیر نہ سکا۔ مالک رام نے حالی کے اس جملے کو اپنی دلیل قاطع قرار دیا ہے جس میں سب کچھ کھینچنے کے بعد یہ فیصلہ درج کیا:

”عبدالصمد فی الواقع ایک پارسی نژاد آدمی تھا اور مرزا نے اس سے کم و بیش فارسی سیکھی تھی۔“

(”یادگار غالب“، غالب انشپنٹن پبلیشنگ، ۱۹۵۷ء، ص ۳۳)

دوسری دلیل شیفہ کی یہ شہادت ہے کہ ملا عبدالصمد نے غالب کو خط لکھا تھا۔ میری دلیل ”فسانہ غالب“ میں نہیں دی، ”ذکر غالب“ میں ہے۔
نواب طائی لکھتے ہیں،

”عبدالصمد تاجر تھا۔ ڈھار کے لیے آگرے کو اس نے امید گاہ بنایا تھا۔“^(۱)
(”یادگار“ رام پور، مروتی، ۱۹۵۷ء، حوالہ۔ ”ذکر غالب“، طبع، مجملہ، جلد ۱، ص ۱۳۳)

حالی و شیفہ خیر اللہ رادی نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد لکھتے ہیں،

”ملا عبدالصمد (ہر مزدہ۔ استاد غالب) غیر معمولی علم و استعداد کا شخص تھا۔“

— عبدالصمد پر سنسکرت اور قدیم فارسی کے باہمی رشتے کا راز کھل چکا تھا۔

اوم پرکاش، بھاج بتاتے ہیں کہ مولانا حالی، مولانا صبر اور شیخ اکرام، ملا عبدالصمد کے وجود کے قائل ہیں جبکہ قاضی عبدالودود اور مولانا عرشی قائل نہیں۔

مولانا عرشی نے نسخہ عرشی کے مقدمے میں عبدالصمد کی شخصیت کو سراسر افسانہ قرار دیا ہے (طبع اول، ۱۹۵۸ء، ص ۷۱)۔ ”مالک رام، ایک مطالعہ“ کے دو مضمون ”یادگار

مالک رام کے موقف اور عبدالصمد کے وجود کو مٹنے پر مائل ہیں۔ شمس، اگر چنانچہ فاروقی نے اپنے مضمون میں اس موضوع کو ساڑھے آٹھ صفحے دیے ہیں، جن کا آخری جملہ یہ ہے:

ہے۔

”مجموعی طور پر ان (ملک رام) کا فیصلہ اس وقت تک کی معلومات اور فکر

کی روشنی میں صحیح ہے۔“ (ص ۴۱)

اگر فاروقی کو محض فقہ کہہ کر ان کی رائے کو کم اہمیت دی جائے تو کالی داس گپتا دھنا جیسے سرآمد باہرین غالبیات کی یہ رائے دیکھیے۔

”میری رائے میں حالی کے مندرجہ بالا بیان اور شیخو کے حوالے سے دیے

ہونے والی خط (ملا عبدالصمد بنام غالب) کو محض کذب کی تائید کہہ کر

بظہر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں کوئی پچائی ضرور ہے۔“ (مطالعہ ص ۴۶)

واضح ہو کہ کالی داس گپتا قاضی عبدالودود اور ملک رام دونوں کے معتقد علیہ ہیں۔ میں حالی اور ملک رام کے موقف سے اتفاق کرتا ہوں۔

اگلی مضمون ’ غالب کی سریر‘ ہے۔ یہ اسلاف ’ ادبی دنیا‘ اپریل ۱۹۹۱ء میں شائع

ہوا۔ اس میں عربی کے شعر والی ایک سرکہ بھی ان سے غصوب کیا تھا۔ اس کے بعد

رسالہ ’ تحریک‘ جلد ۵، شمارہ ۱۹۹۱ء میں ایک مضمون ’ غالب کی پچٹی سر‘ لکھا جس

میں تصحیح کی کہ عربی کے شعر والی سرکہ کسی حکیم صاحب کی ہے۔ اس سرکہ خارج کر کے

ایک نئی سرکہ تعارف کرایا۔ ’ فسانہ غالب‘ کے مضمون میں ’ تحریر‘ کے اس مختصر

مضمون کو ضم کر لیا ہے۔ مضمون کا سب سے قابل قدر پہلو ان سرکہوں کا نفسیاتی مطالعہ

ہے۔

ساتواں مضمون نواب شمس الدین احمد خان کے بارے میں ہے۔ اس میں نواب

سے متعلق بیش بہا تفصیلات جمع کر دی ہیں۔ اس کے ساتھ میں ’ مرقع النور‘ اور

’ نگارنامہ سروری‘ جیسی غیر معروف کتابوں کے علاوہ قومی آرکائیوز کے متعدد مراسلات

شامل ہیں۔ اس طرح اس مضمون میں فریڈ سے متعلق جتنی مستند اور مفصل

معلومات جمع کر دی گئی ہیں، اتنی خود ان کی کتاب ’ ذکر غالب‘ میں بھی نہیں۔

آٹھواں مضمون ’ مقدمہ پنشن کا عرضی دعویٰ‘ ہے۔ ’ آج کل‘ فروری ۱۹۹۳ء

میں اسی موضوع پر ان کا مضمون "ذکر غالب" شائع ہوا تھا، غالباً یہی مضمون تھا۔ ابھی تک ملک رام یا کسی کو بھی غالب کی پہلی درخواست یعنی عرضی دعویٰ دست یاب نہیں ہوا تھا۔ ملک رام لندن گئے تو انڈیا آفس لائبریری میں غالب سے متعلق تمام کاغذات نگاہے۔ انھیں میں غالب کے عرضی دعویٰ کی طویل روداد مل گئی، اس میں ۲۰ واقعات ہیں۔ اس درخواست کے اہم تر مطالب "ذکر غالب" میں شامل کر لیے گئے ہیں جن سے غالب کی نوجوانی کے بہت سے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔

نواس مضمون "قبیل پنجابی الاصل تھا" کے عنوان سے ہے۔ اصلاً یہ "نگار" جولائی ۱۹۳۲ء میں "قبیل کا وطن" کے نام سے شائع ہوا۔ ملک رام نے قطعی طور پر معلوم کیا کہ قبیل پنجاب کے شہر بنالہ کے ایک عابدان سے تعلق رکھتا تھا، فریہ آباد سے نہیں۔ مختلف مقامات پر جستجو کر کے ملک رام نے جس طرح قبیل کے شجرے اور اقربا کی نشان دہی کی ہے وہ قابلِ داد ہے۔ انھوں نے قبیل کا صحیح نام دیوانی سنگھ بھٹاڑی بھی معلوم کیا۔

دسواں مضمون "ایک محاصرہ اندراج" ہے جس میں آغا جگر شرف کی شہزی شکوہ فرنگ کے مخطوطہ لندن میں سے غالب کے متعلق اشعار درج کیے اور دو دعوے کیے۔

۱۔ یہ غالب سے متعلق غیر مطبوعہ اندراج ہے۔

۲۔ غالب کے بارے میں محاصرہ کشمیری اہل قلم کی تحریروں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس سے پہلے صرف خواجہ حزیں کشمیری کی میرزا سے مختصر ملاقات کا ذکر ملتا ہے (نفاذ میں ۱۳۲)۔

میرے سامنے "نفاذ غالب" کی اپنی جلد کے علاوہ کالم علی غاں کی ذاتی جلد بھی ہے۔ انھوں نے اپنی جلد کے آخر میں نوٹ لکھا ہے کہ "نفاذ غالب" سے پہلے "شکوہ فرنگ" پاکستان میں دوبارہ شائع ہو چکی ہے، اس لیے اسے غیر مطبوعہ اندراج نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ محاصرہ کشمیری مصنفین کی غالب سے متعلق کئی تحریروں ملتی ہیں، مثلاً "مذکرہ خوش معرکہ زیبا" مؤلفہ سعادت خاں ہاجر، محسن کا تذکرہ

صراپا سخن، "نہج" اور "اختیار" جس کے متعدد شواہد میں غالب یا ان کے ادبی اثر کا ذکر موجود ہے۔

گیدڑ حواس مضمون، سکے کا الزام اور اس کی حقیقت ہے۔ ایک تجربہ گوی شکر نے غالب پر الزام لگایا تھا کہ انھوں نے ۱۸ جولائی ۱۸۵۷ء کو سکے کا یہ شعر کہا،

ہزار رو سکے کشورِ حجازی

سراج الدین بہادر شاہ ثانی

غالب جانتے تھے کہ یہ ان کا شعر نہیں ہے۔ وہ دنیا بھر سے مدد مانگتے رہے کہ انھاروں کو کھاناں کر اس کے خالق کا نام معلوم کر دیں، کوئی نہ بتا سکا۔ غالب کی زندگی کے بہت بعد حسن الحلق سے ملک رام صاحب نے قوی دفتر خاندان ہند دہلی میں "صادق الاخبار" میں اس شعر کو کھوج نکالا۔ یہ حافظ دیران کا شعر ہے۔ ملک رام کی یہ دریافت اسی نوعیت کی ہے جیسے لندن سے عرضی دعوے کی درخواست وصول نہ نکالا۔

اگلا مضمون "غالب سے غصوب دوسرا سکے" ہے۔ اس میں ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے ایک اور شعر، "نہج ڈاکٹر طلیح" انجمن نے اس سے مختلف شعر لکھ کر دعویٰ کیا کہ غالب پر دو سکے لکھنے کا الزام تھا۔ ملک رام نے تصحیح کی کہ محض ایک ہی سکے کا الزام تھا۔ دو کا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک قول کے سلسلے میں خلیق صاحب نے لکھا تھا،

"غالب ایسے معاملوں میں مستقل و درخ گوئی سے کام لیتے ہیں۔"

(غالب اور خلیق جیسے، ص ۱۷)

آج کل "جھوٹ بولنے کا الزام" ہمارے پارلیمنٹ کے آداب کے خلاف ہے (unparliamentary word)۔ ملک رام اپنے بیرو پر اس الزام کو برداشت نہ کر سکے پھر گئے۔ عقین کرتے ہیں۔

مورثہ کلامی اور تحت زبانی اور استخوان و لیل و نجات کی جگہ لے سکتے ہیں نہ اسے قہریت پہنچا سکتے ہیں۔ ہماری غالب کے خلاف ہی تو شکایت ہے کہ انھوں نے مختلف بہانے قاطع کے لیے تفسیر اور توہین کا لہجہ اختیار کیا۔ (ص ۱۳۳)

چونکہ مالک رام خود ورثت کلائی، سخت زبانی اور استعزا کا شکار رہے ہیں، اس لیے وہ شاید بالواسطہ اپنے معترضین کو خطاب کر رہے ہیں۔ کاش ادبی بخش کرنے والے محقق اور نقاد اس بزرگانه نصیحت کو حزنِ جان بنائیں؛ لیکن غالب کو دودھ کو کینے والے صرف طبعِ النجم ہی نہیں۔ ڈاکٹر حنیف احمد نقوی کے یہ مشاہدات باعثِ دل چسپی ہو سکتے ہیں:

” (غالب) صادق القول ہرگز نہیں تھے اور مصیبت کے حدود سے آگے بڑھ کر صرف بطور تفریح جھوٹ بولنے میں بھی مطلق نابل نہیں کرتے تھے۔ یہ تسلیم کر لینے سے بھی کہ جھوٹ بولنا ان کی عادت میں داخل تھا، ان کی قدر و منزلت جتنا متاثر نہ ہوگی۔ غالب کا حافظہ انتہائی کمزور اور ناقابلِ اعتبار تھا۔ انھیں مطلق یہ یاد نہ رہتا تھا کہ کسی خاص معاملے میں کچھ دنوں پہلے کسی شخص کو کیا کھ چکے ہیں اور آج کسی دوسرے شخص کو کیا کھ رہے ہیں، یا کل کسی شخص کو کسی سلسلے میں کیا کیا تھا اور آج کیا لکھ کر رہے ہیں۔“

(غالب، احوال و آثار، ص ۱۳۳)

تیرہواں مضمون ” دربارِ رام پور سے تعلقات “ ایک بھرپور مطبوعاتی مضمون ہے اس کا زیادہ تر مواد مولانا عرشی کی ” مکاتیبِ غالب “ سے ماخوذ ہے۔ چودھواں مضمون ” غالب سوسائٹی “ غالب کی سوانح سے متعلق نہیں۔ اس میں غالب کے انتقال کے بعد ان کی یادگاریں قائم کرنے کی ناسمجھ ہے جن میں ۱۹۵۴ء میں قائم شدہ غالب سوسائٹی کی روداد دی ہے۔ آخری مضمون ” آزاد بنام غالب “ میں ”آپ حیات“ میں غالب پر کیے گئے بعض اعتراضات کا ذکر اور ان کی صفائی دی ہے۔ اس ننگوے کے چار پانچ مضامین کو چھوڑ کر جب سب غالب کی داستانِ حیات کے بارے میں مفید معلومات ہم پہنچاتے ہیں۔ غرض یہ کہ یہ کتاب ” ڈاکر غالب “ کا حق ہے۔ بعض امور جو ” ڈاکر غالب “ میں نکل ہیں، یہاں مفضل ہیں۔

گفتارِ غالب (۱۹۸۵ء)

قابلیت پر مضامین کا دوسرا مجموعہ "گفتارِ غالب" ہے۔ اس میں مصنف کے وقتے پر بھی اگست ۱۹۸۵ء کی تاریخ پڑی ہے اور ہاشم کھنہ جامد نے بھی اشاعت کی تاریخ یہی درج کی ہے۔ بلکہ رام صاحب نے مجھے یہ مجموعہ ۳ فروری ۱۹۸۶ء کو بھیجا جس سے میں قیاس کرتا ہوں کہ اس کی واقعی اشاعت اواخر ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ "گفتارِ غالب" ایک اہم وجہ ہے اور تیرہ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان کی فہرست اور اولین اشاعت کی تفصیل یہ ہے:

پیش گفتار "عیارِ غالب" ۱۹۸۶ء میں بعنوان "غالب بھائی جب اور اب"

۱۔ میر اور غالب اولین اشاعت نامعلوم

۲۔ انسان کی مخالفت الہیہ بین الاقوامی غالب سیمینار ۱۹۸۰ء میں بعنوان

"غالب کے نزدیک مقامِ انسان"

۳۔ کلامِ غالب میں معاشرتی عناصر "مذہبِ حمید"، ۱۹۸۰ء

۴۔ ذوق اور غالب "نگار" ستمبر ۱۹۳۶ء میں بعنوان "مطالب اور ذوق"

۵۔ گلِ رعنا (سیرۂ اردو) "مذہبِ واکر" ۱۹۸۰ء میں بعنوان "گلِ رعنا"

(غالب کا گم شدہ انتخابِ کلام)

۶۔ گلِ رعنا (سیرۂ فارسی) "نگار"، جولائی ۱۹۶۰ء

۷۔ دلچسپ اردو کی کہانی اولین اشاعت نامعلوم

۸۔ چراغِ دید اولین اشاعت نامعلوم

۹۔ غالب کی فارسی تصانیف "نگار"، جولائی ۱۹۶۰ء

۱۰۔ دعاے صبا ارمغانِ الفت دلی ۱۹۳۳ء میں جو خواجہ نظام الدین

کو پیش کیا گیا۔ وہاں بعنوان "دعاۃ الصبا"

” آج کل “ فروری ۱۹۵۳ء

۱۱۔ سوالات عہد انگریز

” تحریر “، شماره ۵۳ (جلد ۳، شماره ۳)

۱۲۔ احسان، غالب، ذکا

” اولین اشاعت نامعلوم

۱۳۔ غالب اور حنا

اس طرح چار مضامین کے بارے میں علم نہیں کہ وہ پہلے کبھی شائع ہوئے کہ نہیں۔ سب سے عجیب مصلحہ ” میٹل گفٹار “ کا ہے۔ ” عیار غالب “ میں ان کا مضمون ” غالب شاعری، جب اور اب “ شامل ہے۔ اسی مضمون کو ” گفٹار غالب “ کا دہانچہ بعنوان ” میٹل گفٹار “ بنایا گیا ہے۔ ” عیار غالب “ کے مضمون کے آخر میں دو مصلحوں میں غالب کے اشعار تھے۔ انہیں حذف کر کے زیر نظر محوے میں دو مزید مثنوی مصلحے لکھ دیے ہیں۔

اس پر مغز میٹل گفٹار میں انھوں نے یہ غلط فہمی دور کی ہے کہ اپنی زندگی میں غالب کی کوئی قدر نہیں مانی۔ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ غالب دہلی کے بادشاہ ظفر اور ام پور کے نواب یوسف علی خاں دونوں کے استاد تھے۔ دہلی کے تمام عاملوں اور ادیبوں سے ان کے مسوایہ مراسم تھے۔ ان کی تمام تصانیف ان کی زندگی میں نہ صرف شائع ہوئیں بلکہ بعض کے کئی کئی ایڈیشن نکلے۔ اردو دیوان پانچ بار شائع ہوا، استاد شاہ فتح ذوق کی زندگی میں ان کے دیوان کو ایک بار بھی طباعت کا مسخرہ دکھنا نصیب نہ ہوا۔ دیوان مومن محض ایک بار شائع ہوا۔ غالب کے اردو فارسی خطوط تک کے محوے ان کی زندگی میں چھپ گئے، یہ اعزاز اور کس کو ملا تھا؟ غالب کی دو روغنی تصویریں اور ایک فوٹو ملتا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں گنتوں کی معتبر تصویریں ہیں، ہلک رام انکشاف کرتے ہیں،

” آج مختلف اساتذہ کی جو تصویریں متداول ہیں، یہ سب جعلی ہیں۔ ان

میں سے بیش تر بھوپالی مصور محمد اوپلا کی بنائی ہیں۔ “

(گلد چپ، ص ۸)

ہلک رام صاحب کو محض تحقیق سمجھا جاتا ہے، لیکن اس کتاب میں انھوں نے اپنی تحقیقی نظر کا وافر ثبوت دیا ہے۔ دہانچہ میں لکھتے ہیں کہ ” اردو میں دو شاعر ایسے ہیں

جن کے کلام میں اپنی مخصوص فضا ہے، میر اور غالبؒ۔ ظاہر ہے کہ مالک رام محض قدم اساجہ کی بات کر رہے تھے، اقبالؒ، جوش یا فریق وغیرہ کی نہیں۔ غالب کے لیے لکھتے ہیں:

”غالب کی دنیا نشاط اور ولولے، خور و فکر، ہمت اور جرأت کی دنیا ہے اس سے آپ کو آزادیِ رائے اور آگے بڑھنے کا سبق ملتا ہے۔ اس کے کلام میں حرکت ہے، نشاط ہے، ولولہ ہے۔ آپ کے دل میں طرح طرح کے سوال پیدا ہونے لگتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ چھ سوالات خود غالب نے اپنے کلام میں خدا اور خدا کے بندوں اور خود اپنے آپ سے پوچھے ہیں، اسے شاید ہی کسی اور شاعر نے دریافت کیے ہوں گے۔ اس صفت کو ہم ”فکر انگیز“ کہہ سکتے ہیں۔“ (ص ۱۳-۱۵)

اب مضامین پر ایک نظر۔ پہلے مضمون ”میر اور غالبؒ“ میں یہ غلط فہمی دور کی ہے کہ غالب ابتدا میں دقیق انداز میں لکھتے تھے، بعد میں میر کے سہل انداز میں لکھنے لگے۔ فاضل مضمون نگار نے بتایا ہے کہ سہل انداز کی ۳۵ غزلیں ۱۹۲۶ء سے پہلے کی ہیں (ص ۱۴)۔ دوسرے مضمون ”انسان کی خلافتِ الہیہ“ میں غالب کے فارسی اور اردو اشعار سے ثابت کیا ہے کہ غالب کی نظر میں انسان دنیا میں خلیفہ الہی اور خلافت کائنات ہے۔ اقبال کی مشہور فارسی نظم ”خدا اور انسان کا مکالمہ“ (— چراغ آفرید ما سے پہلے غالب نے اعلان کیا تھا،

نما گرمست این جنگار، بنگر شور ہستی را

قیامت می دہد از پردۂ غاکی کہ انساں شد

”کلام غالب میں معاشرتی عناصر“ ایک اچھوتا تحقیقی مضمون ہے۔ اس انداز کا تجزیہ پہلے نہیں دیکھنے میں صیں آیا تھا۔ اس میں غالب کے کلام سے معاشرتی ادبِ شرق کے اصول، سماجِ خود و لوش، میلے، شہید، توہمت، پیٹے وغیرہ سے متعلق پیادہ درج کیے ہیں، مثلاً اس زمانے میں جب کوئی شخص کسی سے رخصت ہوتا تھا تو اسے

اپنی یاد دلانے کے لیے کوئی قصہ دے دیتا تھا۔ ان میں سب سے مقبول شے تھی چملا جو اکثر نظروں کے سامنے آتا رہتا ہے۔

کافی ہے نعلانی تری چھلے کا نہ دینا
نعلی مجھے دکھلا کے ، یو قیہ سفر ، انگشت
(ص ۳۶)

اسی طرح مصنف کے بقول بازار میں علیک سلیک کے علاوہ طویل گنگو کا بانگل رواج نہ تھا۔ جہدین حدیث نے لکھا ہے کہ کوئی شخص بازار میں کھڑا کھا رہا ہو تو اس کی ردایت کردہ حدیث پر اظہار نہیں کیا جاسکتا۔ غالب اس شعار کا فائدہ اٹھا کر کہتے ہیں۔

کچھ کے کرتے ہیں بازار میں وہ پر سب حال
کہ یہ کئے کہ سر رو گزر ہے ، کیا کیے
(ص ۳۷)

حرف کے دربار کے یہ آداب تھے کہ درباری ایک دوسرے سے ملنے پر سلام کے لیے اپنے ہاتھ خوشامی کے بجائے کان تک لے جاتے تھے ، اس کی غالب نے یہ لطیف توجیہ کی۔

کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہیں کرتے ہوئے سلام
اس سے ہے یہ مراد کہ ہم اکٹھا نہیں
(ص ۳۸)

”ذوق نورد غالب“ ایک اور تنقیدی مضمون ہے۔ بالک رام ماہر فاطمیات ہیں ، توفیق تھی کہ وہ غالب کے طرف دار ہوں گے ، لیکن اس مضمون میں انھوں نے ذوق اور غالب کے ہم معنی اشعار کا بڑی معروضیت سے موازنہ کیا ہے اور اکثر صورتوں میں ذوق کے اشعار کو ترجیح دی ہے۔ ”ارمغان بالک“ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ یہ مضمون ستمبر ۱۹۳۶ء کا ہے اور اسی سے ان کی غالب سے دل چسپی کی ابتدا ہوئی۔ کلام غالب کے ابتدائی انتخاب ”گل رحمت“ سے متعلق دو مضامین ہیں۔ یہ انتخاب گم ہو گیا تھا۔ بالک رام کو سب سے پہلے اس کا نسخہ ۱۹۵۷ء میں ملا۔ انھوں نے اسے شائع تو کیا ۱۹۷۰ء

میں لیکن اس سے پہلے دو معامین میں اس کے مشمولات کا تعارف کرایا، ایک میں اردو حصے کا، دوسرے میں فارسی کا۔ پہلا مضمون "نذرِ ڈاکر" (۱۹۱۸ء) میں "گلِ رعنا" (غالب کا گم شدہ انتخاب کلام) کے نام سے چھپا۔ "نذرِ ڈاکر" دس سال پہلے ہی سے زیرِ ترحیب تھی۔ ملک رام نے یہ مضمون اپریل ۱۹۵۸ء سے پہلے لکھا جو "نذرِ ڈاکر" میں ۱۹۶۸ء میں سامنے آیا (مقدمہ "گلِ رعنا" ص ۱۲)۔ "گلزارِ غالب" میں اس کا نام "گلِ رعنا ہیرا اردو" ہے۔

جب "نذرِ ڈاکر" میں یہ مضمون چھپا، اس کی بہت اہمیت تھی کیونکہ اس وقت تک "گلِ رعنا" شائع نہیں ہوئی تھی۔ "گلِ رعنا" کی اشاعت کے بعد اس مضمون کی اہمیت محض تاریخی رہ گئی ہے، معلوماتی نہیں۔ فارسی حصے سے متعلق مضمون "نگار" جولائی ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ یہ "ہیرا اردو" کے بعد لکھا گیا لیکن شائع اس سے پہلے ہوا۔ دونوں معامین میں بعض اشعار کے "گلِ رعنا" میں شامل متن اور بعد کے نحووں میں ترمیم شدہ متن کی نشان دہی کی ہے نیز بہت سی نظموں اور غزلوں کا زمانی مطالعہ کیا ہے۔

"دیوانِ اردو کی کہانی" ۴۷ صفحوں کا حقیقی مضمون ہے اور میرے نزدیک اس مجموعے کی بہت الغزل ہے۔ یہ اور معاشرتی عناصر والا مضمون اس مجموعے کے سب سے دل چسپ اور معلوماتی الموز مقالے ہیں۔ تحقیق میں کس طرح انسانی دل چسپی پیدا کی جا سکتی ہے، یہ "دیوانِ اردو کی کہانی" میں دیکھیے۔ اس کی ابتدا میں یہ بحث ہے کہ غالب نے شعر گوئی کا آغاز کب کیا۔ اس کے بعد ان کے مرتبہ قلمی مجموعوں، انتخابات، دیوان کے مختلف ایڈیشنوں اور بیسویں صدی کے بعض مطلوبہ متن کی تفصیل ہے۔ ہر چیز آمیز ہو کر سامنے آجاتی ہے، ہر موضوع کے اجراء سے پوری واقفیت ہو جاتی ہے۔ "دیوانِ غالب" بحثِ عام طور سے دل چسپ ہے۔ اس سے یہ انکشاف ہوا کہ ملک رام نے توفیق احمد کو اس نئے کے لیے دس ہزار روپے پیش کئے لیکن وہ راضی نہ ہوا (ص ۱۲۱)۔ ملک رام کا ایک اور اہم مفروضہ یہ ہے کہ اس دیوان سے پہلے بھی کوئی غیر عارفِ بیاض یا دیوانِ بہا ہو گا، نیز اس

بظہ غالب دیوان کی ایک اور نقل تیار کی گئی ہوگی۔ ان قیاسات کے دلائل ضعیف نہیں (ص ۱۵۱)۔

موجودہ دیوان منتخب ہے۔ آزاد نے "آب حیات" میں لکھا ہے کہ انتخاب کا کام مولوی فضل حق اور مرزا غلام عرف مرزا غلامی کو تو اہل شرع نے کیا۔ بلکہ رام اسے افسانہ طرازی قرار دیتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ مولوی فضل حق کا علم و فضل مسلم لیکن اردو شعر کی تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے۔ مرزا غلامی قسبل کے شاگرد تھے اور اس کی قدیمیت کے بارے میں غالب کی جو رائے تھی وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ واصل غالب نے خود انتخاب کیا اور حذف و اضافہ کا یہ عمل صرف ایک ہی مرتبہ نہیں کیا بلکہ ساری عمر اس پر عمل پیرا رہے (ص ۳۰-۳۱)۔

مجھے بلکہ رام کے استدلال سے اتفاق ہے، لیکن کالی داس گپتا نے مجھے اپنی ۲۳ اگست ۱۹۹۳ء کے مکتوب میں لکھا،

"میرے ذمہ مختصرات میں ایک عربی کتاب ہے جس میں مولوی فضل حق کے کئی طویل قصیدے ہیں۔ اس سے ان کا عربی کا مشتاق شاعر ہونا ثابت ہے اگر وہ عربی کے باقاعدہ شاعر تھے تو اردو اور فارسی کے بھی ہوں گے۔"

خود بلکہ رام صاحب کے مجموعے "تحقیقی معامین" میں ایک مضمون "مولانا فضل حق صیر آبادی" شامل ہے، اس میں لکھا ہے کہ جزیرۂ ایشیاء میں انھوں نے اپنی سرگزشت عربی نظم و نثر میں لکھا شروع کی (ص ۱۱۷)۔ اس سے بھی ان کا عربی شاعر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ انھوں نے مضمون "چراغِ دیہ" اس فارسی شاعری کا تحقیقی تعارف ہے۔ ان مضمون "غالب کی فارسی تصانیف" "نگار" جولائی ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں غالب کی جملہ فارسی نظم و نثر کی تمام کتابوں کی تفصیل ہے، بجز سنگ رسد کے کہ اس کے بارے میں دو معامین اسی شمارے میں شامل ہیں۔ دوسرا مضمون "صباح" ہے۔ ان سے پہلے مولانا مرثی نے "نگار" کھنڈ، مئی ۱۹۹۱ء میں اس شاعری کا تعارف اور قرنِ شریعت کر دیا تھا۔ "دیباچہ صبح" حضرت علیؑ سے

مضبوط ایک عربی دعا ہے جس کا غالب نے فارسی نظم میں ترجمہ کیا تھا۔ قاضی عبدالودود کما کرتے تھے کہ غالب کو عربی بالکل نہیں آتی تھی۔ بلکہ رام بھی سمجھتے ہیں کہ مرزا کی عربی بہت کمزور تھی، اس لیے کسی نے عربی دعا کا فارسی مترجم مرزا کو دیا جسے غالب نے نظم کیا (ص ۲۱۵)۔ یہ نظم ان کے بھائی مرزا عباس بیگ کے ایما پر شائع ہوئی۔ بلکہ رام صاحب نے کئی صفحات میں اس تفصیل سے عباس بیگ کی سوانح لکھی ہے جیسے یہ ان کی چھٹی کی کھیر کھا چکے ہوں۔ ان سے پہلے کلی داس گیارہا نے اپنی کتاب ”مطالعہ غالب“ میں اور زیادہ تفصیل سے لکھا ہے۔ بلکہ رام صاحب کے بیان سے ایک دل چسپ اقتباس سنئے۔

”سب سے پہلی حرکت انھوں نے یہ کی کہ اپنی چچی یعنی مرزا افضل بیگ کی جوان بنگالی بیوی کو گھر ڈال لیا۔ مرزا افضل بیگ جب گلشن سے واپس آئے ہیں تو یہ قانون وہاں سے ان کے ساتھ آئی تھیں۔ خدا معلوم، آپس میں پابندی شادی بھی ہوتی تھی یا نہیں، لیکن بہر حال عرف عام میں وہ عباس بیگ کی چچی ہی تھیں۔ بظاہر افضل بیگ دہلی کے بعد زیادہ دن زندہ نہ رہے۔ یہ عورت جوان بھی تھی اور خوب صورت بھی، اور عباس بیگ کی بھی اہلیتی جوانی اور سرخ و سپید رنگ۔ دونوں ایک دوسرے پر خدا ہو گئے۔ قہر دہی نکلا جس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ خاندان کے دوسرے افراد نے اس فعل شہج پر دونوں کو اور خاص طور پر عباس بیگ کو بہت لعن طعن کی۔“ (ص ۱۱۱)

سوانح دل چسپ ہے، لیکن اتنی تفصیل کی کیا ضرورت تھی؟
 ”سوانح عبدالکریم“ ”بہان قاطع“ کے سلسلے کا ایک آٹھ صفحات کا رسالہ ہے جسے غالب نے عبدالکریم کے نام سے لکھا ہے۔ گیارہویں مضمون میں بلکہ رام نے اسی کا تعارف کرایا ہے اور آخر میں کچھ داخلی حواہد دیے ہیں کہ اسے کیوں غالب ہی

کی تصنیف مانا جائے گا۔ سوالات میں زیادہ تر طالب کے ایک مخالف کی زبان فارسی پر اعتراض ہیں۔

اگلا مضمون "احسان، طالب، ذکا" ہے۔ بہادر شاہ کے عہد میں دستور تھا کہ ملازموں کو چھ ماہ میں ایک بار تحفہ ملتی تھی۔ بادشاہ چاندنی چوک اور کٹرہ ٹیل کے سماجنوں سے قرض لے کر تحفہ نہیں بانٹ دیتے تھے۔ طالب کا جھمپا تحفہ میں گزارہ نہ ہوتا تھا۔ اس پر انھوں نے بادشاہ کی خدمت میں ایک منظوم درخواست پیش کی کہ انھیں تحفہ ۱۰ روپے ملے۔ اس کے عین اشعار یہ ہیں:

رسم ہے مروجے کی جھمپا ایک
خلق کا ہے اس چلن پہ مدار

مجھ کو دکھو تو ہوں جھیر حیات
اور جھمپا ہو سہل میں دو بار

میری تحفہ کیجئے ۱۰ روپے
تا نہ ہو مجھ کو زندگی دھوا۔

ملک رام صاحب نے دریافت کیا ہے کہ یہ منظوم عرضی طالب کی ایجاد نہیں۔ اس میں انھوں نے حافظ عبدالرحمن جیو احسان کی تقلید کی ہے جنھوں نے طالب سے پہلے ظفر کے نام اسی زمین میں ایک قطعہ بھیجا تھا جس میں تحفہ نہ ملنے کی دل چسپ دلائل اور تحفہ کی ادائیگی کا تقاضا تھا (ص ۵۵ - ۷۵)۔ اس میں کوئی جبر نہیں کہ طالب کے سامنے احسان کا قطعہ تھا۔ طالب نے بھی احسان کی طرح قرآن کا ایک جملہ مصرع ثانی کی شکل میں ہو ہو لے لیا ہے،

وقتا رہتا عذاب اللہ

طالب کی تقلید ان کے شاگرد حبیب اللہ ذکا حیدر آبادی نے کی۔ جب انھیں ایک مرتبہ نواب سلاطہ جنگ کے یہاں سے تحفہ ملی تو انھوں نے بھی اسی زمین میں ایک

قلم کو کر لو اب صاحب کو بھیجا۔ پہلے دو اصحاب کے مقابلے میں ڈکا کے قطعے میں سنجیدگی ہے۔

آخری مضمون کا عنوان ”غالب اور حاتم“ ہے۔ ملک رام ”دلوان غالب“ کے لیے لکھتے ہیں،

”کچلے دنوں میں نے یوں ہی سرسری طور پر دلوان کا اس پہلو سے جائزہ لیا

تو اس میں توقع سے کہیں زیادہ حاتم کی مثالیں نظر آئیں“۔ (ص ۱۰۴)

انگریزی میں ایک صنعت alliteration (سرحدی) ہے جس میں گفتگو میں متواتر ایک

آواز سے شروع ہونے والے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں، اسے حُسنِ کھا جاتا ہے۔

ملک رام صاحب نے اپنے مضمون کے پیش تر حصے میں غالب کے ایسے اشعار نقل کیے

ہیں جن میں ایک آواز بار بار آئی ہے، ضروری نہیں کہ لفظ کی اہا میں ہو، وسط یا

آخر میں بھی ہو سکتی ہے۔ میری رائے میں ان میں سے ایک بھی مثل حاتم کی نہیں۔

خود لکھتے ہیں،

”آپ نے دیکھا کہ غالب کے کلام میں متعدد اصوات کی یکجااد بکثرت

موجود ہے۔ حاتم یہ ہے کہ جب ایک ہی آواز کے تواتر سے کلام میں ثبات

پیدا ہو جائے اور اس کے پڑھنے یا سننے سے طبیعت کو ناگواری محسوس ہو تو

اسے کلام کے عیب میں شمار کرتے ہیں“۔ (ص ۱۰۴)

دقت یہ ہے کہ بلاغت کی کتابوں میں فصاحت کی مفصل تعریف نہیں ملتی۔ بہر حال

چونکہ فصاحت کلمے اور کلام دونوں میں ہوتی ہے، اس لیے حاتم کا عیب بھی کلمے اور کلام

دونوں میں ہوتا ہے۔ ”بحر الفصاحت“ میں لکھا ہے،

”بعض چیزوں کو جس معطوم کر لیا ہے، چنانچہ حروف اور کلمات کا حاتم

جس سے معطوم ہو جاتا ہے“۔

(لکھنؤ، ۱۹۰۰ء، ص ۱۰۰)

میری رائے میں کلمے میں حاتم اصوات وہ ہے جہاں دو قریب الخرج آوازیں متواتر یا

بہت قریب آجائیں جس کی وجہ سے لفظ کو روانی سے ادا نہ کیا جاسکے، مثلاً، بھری ٹھارہ، کھٹکھٹ بیگ، یا لفظ میں ایسی آوازیں جمع ہوں جن سے ٹھٹھٹ پیدا ہو جائے، مثلاً، کڑھیلڑ، پکڑ، ڈاڑھی، ڈھانڈا، ڈھینکڑا، ڈھنڈو، ٹھنڈا۔

حافظ کلام وہ ہے جہاں ایک لفظ کے آخر میں اور بعد لفظ کے شروع میں یکساں یا قریب النحر آواز آجائے یا جٹے یا مصرع میں مماثل آوازیں اس کثرت سے آجائیں کہ ثقیل معلوم ہوں۔ جوش کی نظر ”پند نامہ“ کے یہ مصرعے دیکھیے،

جل جیلج، جچ، چچاں چچیں، چنگھڑ
 جچ چچے، چلاں چاں، چیل چھاڑ
 (الطین آوازیں، او عم انشعین)
 بھوک بھوں بھوں، بھن بھن، بھن بھن
 بو بھبک، بے، بکس، بر، بھوپال
 (وبے، ویدناشیں، وحنل)

توسین والے مصرعوں میں حافظ کا شائبہ نہیں۔ اب یہ ذوق اور جس پر منحصر ہے کہ کوئی جمید مصرعوں میں مماثل آوازیں کے اجتماع کو حافظ کلام قرار دے یا انھیں سلیقے سے مجتمع کرنے والی قادر الکلامی۔ ہر حال میری رائے میں مالک رام کا یہ مضمون غیر ضروری ہے، کیونکہ اس میں جو اشعار درج کیے ہیں ان میں حافظ ہے ہی نہیں۔

اس مجموعے کے کئی مضامین اہم ہیں مثلاً، ”دیوان اردو کی کہانی“، ”کلام غالب میں معاشقہ حاصر“ اور ”غالب کی فارسی تصانیف“، لیکن بحیثیت مجموعی تحقیق غالبیات میں یہ مجموعہ ”غالب“ کی برابری نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں بچی بچی کھربچن کو جمع کیا گیا ہے۔

تحقیقی مضامین (۱۹۸۷ء تا)

ملک رام کے اس مجموعے پر ناشر نے سہ اشاعت و سیر ۱۹۸۷ء لکھا ہے ، لیکن ملک رام کے مقدمے پر یکم اکتوبر ۱۹۸۷ء کی تاریخ درج ہے ۔ انھوں نے تجھے یہ کتاب ۳۱ مارچ ۱۹۸۸ء کو دستخط کر کے دی ۔ اس سے میرا خیال ہے کہ یہ واقعی ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی ۔ اس کے جملہ تیرہ مضامین میں سے چھ غالب سے متعلق ہیں ۔ ان کے عنوانات اور سن کی اولین اشاعت کی تفصیل حسب ذیل ہے :

۱۔ غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام) "مشرق" ، مارچ ۱۹۸۳ء

۲۔ "قادر نامہ" کا مصنف "اردو" ، جولائی ۱۹۸۳ء

۳۔ غالب کا ایک نیا خط "تاریخ کل" ، فروری ۱۹۸۵ء

۴۔ "نادر خطوط غالب" (مرتبہ رسالہ مدنی) پر ایک نظر "مہاسد" ، مارچ ۱۹۸۳ء

۵۔ "دو خطبہ" "آج کل" ، فروری ۱۹۸۷ء

۶۔ غالب اور صہبائی "منکار" ، رام پور ، فروری ۱۹۸۳ء

پہلے ان کے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام)" پر نظر ڈالتے ہیں۔ اس کی ابتدا میں لکھتے ہیں :

"بہت دن ہوئے میں نے غالب کا فارسی دیوان مرتب کیا تھا ۔ اس کے لیے میں نے گیارہ فیچ استعمال کیے تھے ، تو (۱۱) خطی اور دو ان کی زندگی کے مطبوعہ فیچ ۔ انھوں کہ ایک مرحوم مرہان بکے کرم کے صلے یہ شائع ہوا فیچ ، یہ دوسرا قصہ ہے "۔ (اس ۱۱)

اس دل گداز بیان کو پڑھ کر قاری بھی مضموم ہو جاتا ہے ۔ جیسا کہ آگے مدین کے باب میں تفصیل دی جائے گی ، یہ مرہان قاضی عبدالودود ہیں جنھوں نے ملک رام کے حیار کیے ہوئے مخطوطے کے درمیان سے کئی اجزاء ضائع کر دیے ۔ یہ مقالہ تحقیق کا بھی اچھا نمونہ ہے اور اس کے بلا وصف دل چسپ بھی ۔ غالب نے متعدد قصیدے پہلے کسی

اور کی طرح میں گھسے تھے ، بعد میں چند اشعار کی تہہ پٹی سے کسی اور کے نام جز دیے ۔
 مالک رام نے محکومات کی مدد سے کلیات مطبوعہ کے گیارہ فارسی قصیدوں کے اصل
 ممدوحین اور اشعار میں رد و بدل کا سراغ لگایا ہے ۔ بعض تبدیلیاں دیکھ کر شاعر کی
 جودت اور ظرافت کا اندازہ ہوتا ہے ۔ مثلاً بہادر شاہ کے غزل صحت کے قصیدے کو بھی
 قدوس تہہ پٹی سے ملکہ وکٹوریا کے سرمنذہ دیا ، مرزا فخرود کے قصیدے کو بھی
 ملکہ وکٹوریا کی ہڈ کر دیا ، ہاتھ کی صفائی دکھا کر بہادر شاہ ظفر کی طرح کے قصیدوں سے
 انگریز افسروں کو نواز دیا ، ایک قصیدہ اصلاً غازی الدین حیدر اور مجتہد الدولہ آغا میر
 کے نام منتقل کر دیا ، امجد علی شاہ کا قصیدہ ان کے بیٹے واجد علی شاہ کا ورثہ ٹھہرا ، گورنر
 جنرل ہارڈنگ کی طرح کا قصیدہ ، راجا فیروزیان سنگھ والی اور کو تفویض کر دیا ، بہادر شاہ
 ظفر کی طرح کا ایک قصیدہ ساراجا زمرد سنگھ والی پٹیالہ کا مقسوم ٹھہرا ۔ مالک رام نے
 ممدوحین کی تہہ پٹی کے علاوہ اشعار میں رد و بدل کی بھی نشان دہی ہے
 حالی نے ” مقدمہ شعر و شاعری “ میں اردو قصیدوں کے لیے لکھا ہے :

” درج میں اکثر ایک نام کے سوا کوئی خصوصیت ایسی مذکور نہیں ہوتی جو
 ممدوح کی ذات کے ساتھ شخص ہو بلکہ ایسے حاوی الفاظ میں درج کی جاتی ہے
 کہ اگر بالفرض مذراہ اس ملت میں کہ فلاں شخص کی درج کیوں کی ، عدالت
 میں مانوڑ ہو جائے تو قصیدے میں کوئی لفظ ایسا نہ ملے جس سے اس کا جرم
 ثابت ہو سکے “۔

(شرح ملی ، ستمبر ۱۹۹۹ء ، ص ۷۹-۸۰)

غالب کے فارسی قصیدے احمد کی ٹوپی محمود کے سر پر چست کر دینے کی دل چسپ
 مثال میں ۔ دوسرا مضمون ، قادر نامہ کا معتف ہے ۔ میرن صاحب اور امیر میتلی کی
 شہادت ہے کہ یہ منظوم لغت غالب کی تصنیف ہے ۔ اس کے باوجود مولانا نظام
 رسول سر نے اس کے غالب کی تخلیق ہونے پر شک کیا ۔ مالک رام نے متعدد اشعار کا
 تجزیہ کر کے ثابت کیا کہ یہ غالب ہی کی تصنیف ہے ۔ یہ داخلی شاعر ہیں بہت مضبوط

ہیں۔ عیسرا مضمون ' غالب کا ایک نیا خط ' " آج کل " فروری ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس میں حکیم غلام نجف خاں کے نام ایک اردو خط پیش کیا ہے اور ساتھ ہی اس کی شاہن نزدیک دی ہے۔ آخری پیراگراف میں خطوط غالب کے بعض قدیم مجموعوں میں غلام نجف خاں سے متعلق عین خطوں کے خط احتساب کی نشان دہی کی ہے (ص ۱۵۱)۔

چوتھا مضمون ' نادر خطوط غالب (مرتبہ رسا ہمدانی) پر ایک نظر ' اولا رسالہ " مہما " مارچ ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا، اس کے بعد زیرِ نظر مجموعے میں۔ سید محمد اسماعیل رسا ہمدانی کیادی، ٹریل ایم۔ اے (کوئل میڈلسٹ) نے یہ مجموعہ ۱۹۶۹ء میں لکھنؤ سے شائع کیا اس میں کل ۲۷ خطوط ہیں، ۲۳ مرقب کے پروادا سید کرامت حسین ہمدانی کے نام، عین صفیر بلگرامی کے نام اور ایک فرزند علی شاہ صوفی منیری کے نام۔ باشر پیارے لال شاکر میرٹھی نے اشاعت سے قبل یہ خطوط مالک رام کو دکھائے۔ مالک رام نے ہادی النظر میں دیکھ کر شاکر سے کہا کہ یہ خطوط جعلی ہیں اور وہ انھیں شائع نہ کریں چونکہ مالک رام کے پاس اس وقت کوئی کتاب نہ تھی اور وہ ایک لمبے سفر پر جانے والے تھے اس لیے مزید ثبوت مہیا نہ کر سکے۔ شاکر نے کتاب شائع کر دی۔

جب مالک رام نے خطوط کو بہ اطمینان دیکھا تو انھیں معلوم ہو گیا کہ رسا نے غالب کے شائع شدہ خطوط میں سے ادھر ادھر کے ٹکڑے جوڑ کر یہ خطوط مرقب کیے ہیں۔ اپنے مضمون میں انھوں نے ۲۴ خطوں کے آخذ کی نشان دہی کی ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے مزید ثبوت فراہم کیے، مثلاً خط میں دی ہوئی تاریخ تک متن میں مندرجہ بعض واقعات نمود پذیر نہیں ہوئے تھے، یہ خطوط کسی بے تکلف دوست ہی کو لکھے جا سکتے تھے اور کوئی شہوت نہیں کہ کرامت ہمدانی غالب کے بے تکلف دوست تھے۔ آخری بات یہ کہ یہ خطوط غالب کی مکتوب نگاری کے بعض خصائص سے معزا ہیں۔ مالک رام نے سب سے پہلے اس جعل کا بھانڈا پھوٹا۔ ان کے کچھ عرصے کے بعد قاضی عبدالودود کا مضمون " محاصرہ " جنوری ۱۹۶۳ء میں آیا۔

پانچویں مضمون ' وجہ و حیل، جنس، جہر، صلح کا ہے۔ اس میں انھوں نے دکھایا ہے کہ غالب نے یہ کتاب یہ جاننے کے بعد لکھی کہ فتح انگریزوں کی ہوگی۔ چونکہ غالب نے طے کر لیا تھا کہ یہ کتاب انگریز حکومت کو پیش کریں گے، اس لیے اسی نقطہ نظر سے

لکھا اور بعض جگہ دائرہ خط بیانی کی۔ چنانچہ مضمون "غالب اور صہبائی" - نگار "رام پور" فروری ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ اس میں دکھایا ہے کہ غالب نے مولانا صہبائی کے بارے میں ہمیشہ معاندانہ اور لہانت آسز الفاظ کا استعمال کیا ہے، بالخصوص اس لیے کہ صہبائی کے ایک شاگرد نے معرکہ "برہان قاطع" میں غالب کے خلاف ایک رسالہ لکھا تھا۔

"تحقیقی مضامین" کے ان تہہ مضامین میں اہم ترین مضمون "ناور خطوط غالب" سے متعلق ہے اور اس کے بعد غالب کے فارسی قصیدوں میں الٹ پھیر کی نشان دہی والا۔ ان تہہ مضامین کے علاوہ دو مضمون ان شخصیتوں کے بارے میں ہیں جو غالب کی زندگی سے جڑے ہوئے ہیں، مولانا فضل حق میر آبادی اور ذوق۔ چونکہ ان دونوں مضامین میں غالب سے متعلق کچھ نہیں، اس لیے ان سے صرف نظر کیا جاتا ہے۔

مختلف مضامین

مجموعوں کے بعد غالب سے متعلق ان مضامین کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے جو مختلف رسالوں یا مجموعوں میں شائع ہوئے۔ ان میں سے صرف پانچ تہہ میری نظر سے گزرے ہیں، البقیہ سب کے بارے میں عرش طیبانی کے مضمون نگارشات، ملک رام سے انڈ کرنے پر اکٹھا کروں گا۔ مضامین کو زمانی ترتیب سے لیا ہوں،

۱۔ غالب کی ایک غیر مطبوعہ تحریر "اولیٰ دنیا" لاہور، ستمبر ۱۹۳۹ء

غالب نے دہلی سوسائٹی میں ایک مضمون پڑھا تھا اسی کو تلاش کر کے پیش کیا ہے۔

۲۔ غالب اور قسبل "اولیٰ دنیا" مارچ ۱۹۳۰ء

اسد علی انوری فرید آبادی نے اس نام کی کتب میں قسبل کی حمایت اور غالب کی مخالفت کی تھی۔ ملک رام کے نزدیک انھوں نے خط احمدلال سے خط قیچہ نکالے تھے انھیں کی تردید کی ہے۔

۳۔ غالب کی اردو خطوط نوٹھی کی تاریخ "جامعہ" فروری ۱۹۳۲ء

اس میں ثابت کیا ہے کہ غالب یقیناً ۸ محرم ۱۲۵۷ھ میں لاہور غالباً اس سے بھی پیش تر، اردو میں خط لکھنے لگے تھے۔

۳۔ مرزا غالب اور امیر جٹانی ... نوازے اوپ "، بیسٹی، جنوری ۱۹۵۵ء

"قلمچ پہان" کے مترکے میں دونوں طرف سے کچھ نظمیں بھی لکھی گئی تھیں۔ ایک نظم محمد امیر لکھنوی کے نام سے تھی۔ قاضی احمد میاں اختر جو ناگزیر کا خیال تھا کہ یہ مشہور شاعر امیر جٹانی کی تھی۔ ملک رام نے اس دعوے کی تردید کی ہے۔

۵۔ بارخ دو در "۔ آج کل "، مارچ ۱۹۵۵ء

غالب نے "سبد چمن" کے بعد جو مزید قاری نظم و نثر تخلیق کی، اسے شامل کر کے "سبد چمن" کا ایک اضافہ شدہ نسخہ تیار کیا جس کا نام "بارخ دو در" رکھا۔ اس کی تاریخ "سبد بارخ دو در" سے ۳۳ھ نکلتی ہے۔ یہ مجموعہ غالب کی زندگی میں شائع نہ ہو سکا۔ خوش قسمتی سے اس کا اصل نسخہ لاہور کے سید وزیر الحسن عابدی کو مل گیا۔ انھوں نے اس کا تعارف رسالہ "آج کل" دہلی ماہ ۱۵ فروری ۱۹۵۵ء میں کرایا۔ عابدی کے نسخے کی ایک نقل عرشی صاحب کو مل گئی۔ ملک رام نے اسی نقل کو دیکھ کر اس انتخاب کا تعارف کرایا۔ اس تصنیف کی بعد کی تاریخ یہ ہے،

وزیر حسن عابدی نے "بارخ دو در" کا متن پہلی بار "لورڈز کالج میگزین" لاہور میں دو قسطوں میں اگست ۱۹۶۰ء اور اگست ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ ان دونوں قسطوں کے آف پرنٹس کتابی صورت میں یک جا کر دیے گئے اور ان پر لاہور بار اول ۱۹۶۱ء کی تاریخ ڈال دی تھی۔ اعلیٰ عرشی صاحب نے اسی نسخے کی چھٹیں رسالہ "اردو" کراچی، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۶۱ء میں شائع کر دی اور اسی سال انجمن ترقی اردو پاکستان سے کتابی شکل میں بھی شائع ہوئی۔ اس کے بعد وزیر حسن عابدی کی مرتب کردہ کتاب، ۲۳۰ صفحات کے تحقیق نامے کے ساتھ، پنجاب یونیورسٹی لاہور نے ۱۹۷۰ء میں شائع کی۔ عرشی صاحب نے اپنے مرتب کردہ نسخے کا نام "سبد بارخ دو در" جو رکھا وہ مناسب نہ تھا۔ غالب نے اس مجموعے کا نام "بارخ دو در" رکھا تھا۔ "سبد بارخ دو در" اس کی تاریخ تھی۔ حیرت ہے کہ ملک رام نے بھی اپنے مضمون "غالب کی قاری تصانیف" مشہور "گفتار غالب" میں اس کا ذکر "سبد بارخ دو در" کے عنوان سے کیا ہے، محض "بارخ دو در" سے نہیں۔ (گفتار غالب، ص ۱۰۲)

بلک رام مندرجہ بالا اندراج میں اطلاع دیتے ہیں کہ "بارخ دو در" میں "سید چمن" سے محض ۳۶ شعر زیادہ ہیں، ان میں سے ۲۰ کو چھوڑ کر جبے ۱۶ شعر وہ اپنی مرتبہ "سید چمن" اور بعض مضامین میں شائع کر چکے تھے۔ انگلار غالب، ص ۱۹۳

۶۔ غالب کا ایک شعر
ذریعہ بحث شعر ہے۔

بقدر شوق نہیں عرفِ محکماتے غزل

کچھ اور چاہیے وسعت مرے پیوں کے لیے

اس سے عام طور پر سمجھ لیا جاتا ہے کہ غالب صنف غزل کے خلاف ہو گئے تھے۔ بلک رام نے صراحت کی کہ انھوں نے غزل کو تحملِ حسین علی کی مدح کے لیے بالکل کھلا۔

۷۔ غالب کا ایک گم شدہ قصیدہ
"خام" سال نامہ، ۱۹۶۰ء

اس میں غالب کے ایک فارسی قصیدے کی کئی منزلوں کے ممدوحین کی تعصین کی گئی ہے۔ یہ مضمون ان کے طویل مقالے "غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا نکالام)" (نقوش، مارچ ۱۹۶۳ء نمبر ۲) تحقیقی مضامین ۱ میں ضم کر لیا گیا۔

۸۔ مہرہ دیوانِ غالب، نسخہ عرشی
"فکر و نظر"، جنوری ۱۹۶۱ء

بلک رام نے دیوانِ غالب کا ایک ایڈیشن آزاد کتاب گھر دہلی سے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ مولانا عرشی کا تصدیقی کارنامہ دیوانِ غالب، نسخہ عرشی ۱۹۵۸ء میں آیا۔ اس کی داد دیتے ہوئے بلک رام نے اس پر "فکر و نظر" علی گڑھ، جنوری ۱۹۶۱ء میں ایک تبصرہ کیا۔ محمد طفیل نے "نقوش"، نومبر ۱۹۶۳ء میں اسے ڈائجسٹ کیا۔ بلک رام نے اس میں عرشی صاحب کی حدیث سے کچھ اختلافات کیے تھے۔ انعام عرشی صاحب نے مین سال بعد اس کا جواب "دیوانِ غالب نسخہ عرشی" کے حوالہ سے "نقوش"، نومبر ۱۹۶۳ء میں لکھا۔ مضمون ہونا ہے سدیہ کی اصلی غرض اس جوابی مضمون کو شائع کرنے کی فہمی، اس کے حوالے کے لیے اس سے قبل بلک رام کا اصل مضمون بھی چھاپ دیا گیا۔ غالبیات کے چوٹی کے دو ماہرین کا یہ مباحثہ ست ام ہے، اس لیے یہاں اس کے اہم نکات درج کیے جاتے ہیں۔

مالک رام نے اپنے تہرے میں چار نکات پیش کیے :
 ۱۔ "یادگار غالب" ہجو فارسی میں حالی لکھتے ہیں کہ "حکیم احسن اللہ علی مرحوم نے مرزا سے جب وہ نکلنے میں مقیم ہیں، خواہش کی ہے کہ اگر آپ نے اپنی کچھ نثریں جمع کی ہوں تو بیچ دیجیے" (طبع اول، ص ۵۵)۔ اس کے جواب میں مرزا نے ان کا شکریہ ادا کیا اور "دیوان ربیعہ" کا دیباچہ اور "گل رعنا" میں شامل نثریں بھیجیں۔ مولانا عرشی نے "نسخہ عرشی" کے دیباچے میں لکھا :

"چونکہ اس خط میں ترسیب و انتخاب دیوان کا ذکر ہے اور مولانا غلامی بدایونی کو "دیوان غالب" کا ایسا مخطوط ملا تھا جس میں دیباچے کی تاریخ ۱۳۲۸ قمری قعدہ ۱۳۲۸ (۱۳ اپریل ۱۹۱۰ء) یعنی سفر کلکتہ کے بعد درج تھی، اس لیے مولانا حالی کے بیان کو نظری قرار دے کر تاریخ انتخاب دیوان کو اس تاریخ (۱۳۲۸ء) سے کچھ قبل ماننا چڑے گا"۔

(دیباچہ نسخہ عرشی، ص ۵۵ء)

عرشی صاحب نے اپنے دیباچے میں ۵۸ پر غالب کے مکتوب بنام احسن اللہ علی کو آخر سنہ ۱۳۲۸ (۱۸۱۳ء) کے بعد کا مانا ہے۔
 مالک رام اپنے تہرے میں لکھتے ہیں :

"اگر ترسیب دیوان کا کام کلکتہ سے جانے کے بعد دہلی میں ۱۳۲۸ء میں ہوا تو حکیم احسن اللہ علی کے رام کا خط کلکتہ سے نہیں کھانگیا تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ غالب سفر کلکتہ کے بعد ۱۳۲۸ء تک کب دہلی سے اسے عرصے باہر رہے کہ حکیم صاحب ان سے ان کی ہزہ وارد نثریں کی فرمائش کرتے؟ مالک رام کی رائے میں یہ خط کلکتہ سے کھانگیا اور اس میں دیباچہ دیوان کے ذکر کے یہ معنی ہیں کہ مداول دیوان کی تدوین کلکتہ ہی میں ہوئی تھی اور اس سے "گل رعنا" انتخاب کیا گیا"۔

(نقوش، ص ۱۷۷)

۲۔ دیوان غالب اردو کا میرا ایڈیشن مطبع احمد دہلی سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوا۔
 عرشی صاحب کے نزدیک یہ ایڈیشن ضیاء الدین نیر کے نسخہ دیوان غالب پر مبنی ہے۔
 مؤخر الذکر مخطوط غالب کے رام پور کے نسخے سے مقابلہ کر کے صحیح کر لیا تھا (دباجہ
 نسخہ عرشی، ص ۱۱، ۱۲، ۱۳)۔ ملک رام کی رائے میں مطبع احمدی کا ایڈیشن نیر کے
 مخطوطے سے نہیں، بلکہ حسین میرزا کے قلمی نسخے سے تیار کیا گیا۔

۳۔ عرشی صاحب نے رائے ظاہر کی ہے کہ مرزا صاحب کو احمدی پر نہیں میں دیوان
 چھپوانے کی خواہش نہ تھی جیسا کہ خود انھوں نے غلطہ الطبع میں لکھا ہے۔
 ملک رام کہتے ہیں کہ غلطہ الطبع میں مرزا نے لکھا ہے،

”مجلس و داد آئین میر قمر الدین کی کار فرمائی اور خان صاحب غشی محمد حسین
 کی دامائی مقتضی اس کی ہوئی کہ دس جلدوں کا رسالہ ساڑھے پانچ جلدوں میں
 منطبع ہوا اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں ہوا، لیکن ہر کاپی میری نظر
 سے گزرتی رہتی ہے۔“

عرشی صاحب نے فقرہ ”اگرچہ یہ انطباع میری خواہش سے نہیں ہوا“ سے یہ نتیجہ
 نکالا کہ مرزا کو اس مطبع میں دیوان کا چھاپا جانا ہی سرے سے منظور نہیں تھا، حالانکہ
 مرزا کا تہمات یہ معلوم ہوتا ہے کہ مستم مطبع کی کار فرمائی اور صاحب مطبع کی دامائی سے
 دس جلدوں کا رسالہ ساڑھے پانچ جلدوں میں منطبع ہوا، یہ بات میری خواہش کے خلاف
 ہوئی۔

۴۔ نسخہ رام پور جدید غالب نے ۱۸۵۷ء سے پہلے تھے میں بیجا عرشی صاحب
 کی رائے میں اس کی ترتیب مارچ ۱۸۵۵ء اور ستمبر ۱۸۵۵ء کے بیچ ہوئی (دباجہ ص
 ۸۸)۔ آئین چاند عرشی صاحب نے نسخہ عرشی کے جزو ”نوائے سروش“ کی بنیاد اس پر
 رکھی ہے۔ اصول یہ ہے کہ مصنف کی زندگی کے آخری ایڈیشن کو متن کے لیے
 استعمال کیا جائے بشرطہ کہ یہ یقین ہو کہ مصنف نے اس کا مسودہ دیکھا تھا۔ چونکہ
 دیوان کے چھٹے اور پانچویں ایڈیشن (۱۸۵۷ء، ۱۸۵۸ء) خود غالب کے دیکھے ہوئے
 ہیں، اس صورت میں ۱۸۵۴ء کے ایڈیشن کو متن کی جگہ دینی چاہیے تھی۔

عرشی صاحب نے ان نکلت پر اس اظہارِ خیال کیا،

۱۔ انھوں نے یہ مان لیا کہ حکیم صاحب کو خط لکھتے ہی سے کھا گیا، لیکن اس سے بڑے کیے ثابت ہوتا ہے کہ یہ دیباچہ مداول دیوان کے لیے کھا گیا اور مداول دیوان کی ترغیب لکھتے میں ہوئی۔ مذکورہ دیباچہ انتخاب مداول دیوان سے پہلی منزل، نسخہ شیرانی کا ہو سکتا ہے۔ عرشی صاحب نے ”گلِ رحمت“ اور مداول دیوان کا تقابلی مطالعہ کر کے ثابت کیا کہ مداول دیوان ”گلِ رحمت“ سے بعد کی منزل ہے۔ وہ اپنے اس مؤقف پر قائم رہے کہ انتخاب دیوان ۱۳۳۸ھ میں دہلی میں ہوا۔

۲۔ دہلی والا وہ نسخہ جس سے نسخہ احمدی چھپا ہے، بظاہر حسین مرزا کا نسخہ مطوم ہوتا ہے لیکن یہ مسئلہ سردست بحث طلب نہیں (فتوش، ص ۱۵۱)۔ یہاں انھوں نے ملک رام کی بات مان لی۔

۳۔ ملک رام کے اس نکتے کے بارے میں عرشی صاحب غامض ہیں کہ غالب نے احمدی میں دیوان کے انطباق کو مایوس نہیں کیا تھا بلکہ دس جود کے مواد کو ساتھ ساتھ پہلے جود میں ٹھونس دینے پر کبیدہ ہوئے تھے۔

۴۔ عرشی صاحب نے ترغیب اصنافِ سخن، طریقِ اطا اور بہت سے مصرعوں کی ترمیمیں درج کر کے یہ اصرار کیا کہ نسخہ رام پور، احمدی و نفاذی ایڈیشن سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، اس لیے صحیح معنی میں غالب کی زندگی کا آخری ایڈیشن اسی کو کہیں گے عرشی صاحب نے واضح کیا کہ نسخہ عرشی کے اختلافات نسخہ سے ظاہر ہے کہ انھوں نے متعدد موقعوں پر مطبوعہ نفاذی ایڈیشن کو نسخہ رام پور پر ترجیح دی ہے لیکن بہت سے مقامات پر نہیں دی، کیونکہ ان کی رائے میں خوش ذوقی کے پیمانے سے خوش رو انتخاب (نسخہ رام پور جدید) کے اشعار بہتر تھے جبکہ بعد کے ایڈیشن میں ان کا لطف جاتا رہا۔ آخر ملک رام نے بھی اپنے مرتبہ دیوان میں ہر جگہ نفاذی ایڈیشن کو حرفِ آخر نہیں مانا۔

دونوں مضامین کا خلاصہ ختم ہوا۔ عرشی صاحب مداول دیوان کی تاریخ ۱۳۳۸ھ پر مصر رہے۔ انھوں نے ملک رام۔ کہ اس سو کی خلائی تصحیح کر دی کہ ”گلِ رحمت“ مداول دیوان کا انتخاب ہے۔

ملک رام نے اپنے لئے پُر مغز اور اہم مضمون کو اپنے کسی مجموعے میں شامل نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ وہ محدثین دیوان سے متعلق اپنے موقف میں مذہب ہو گئے۔ ”ذکر غالب“ طبع ۱۹۷۹ء میں مندرجہ بالا تبصرے کے موقف میں یوں ترمیم کرتے ہیں۔

”سبوا خیال ہے کہ اس نامے میں شاید انھوں نے صرف اردو کلام کا ایک مختل انتخاب مرتب کیا ہو جو مداول دیوان کی اولین یا ابدائی شکل بھی پاسکتی ہے۔“ (ص ۸۵)

اور ”گفتار غالب“ ۱۹۷۷ء میں اپنے مضمون ”دیوان اردو کی کہانی“ میں مداول دیوان کے سلسلے میں فصل ۶ میں لکھتے ہیں کہ ”گل رحمت“ کے ساتھ نکلنے میں مداول دیوان تیار کر کے اس پر قاری دیباچہ لکھ دیا۔ جب نسخہ دیوان کو آخری شکل دی تو دیباچے پر نظر ثانی کر کے تاریخ ۲۳ دئی قعدہ ۱۳۴۸ھ (۱۳ اپریل ۱۹۳۰ء) لکھ دی (ص ۸۷-۸۸)

ملک رام صاحب کا یہ اصرار کرنا کہ مداول دیوان کی اولین شکل نکلنے میں تیار ہو چکی تھی، مرتبے کی ایک ٹانگ ہونے پر اصرار معطوم ہوتا ہے جو مرثی صاحب کے نقابلی مطالبے کے بعد بنے بنیاد نظر آتا ہے۔ مداول دیوان بالیقین ”گل رحمت“ کا توام نہیں اس کے بعد کا ہے۔

اب اس مضمون سے آگے بڑھ کر چند اور حفرق مضامین کو دیکھتے چلیں۔

۱۔ غلطی ہائے مضامین ”ماہنامہ“ اکتوبر ۱۹۷۷ء

اس میں سید قدرت نقوی کے ایک مضمون کی غلطی کی تصحیح کی ہے۔

۲۔ غالب اور رقیب ”نقوش“ ، غالب نمبر حصہ اول، ۱۹۷۸ء

”نقوش“ کے اس مستم بلاشن شہدے میں ملک رام نے محض ڈھائی صفحے کا یہ

تقریبی مضمون لکھا جو ان کے پاپے کے باہر قابلیت کو زیب نہیں دیتا۔ غالب صدی کے سال میں ان کے وقت اور قلم پر ہر طرف سے مطالبے ہو رہے تھے، شاید وہ ”نقوش“ کے لیے وقت بے تکل سکے۔

۱۱۔ غالب اور یوپی "غذیر مقبول" ۱۰ جون ۱۹۰۱ء فروری

۱۹۰۰ء

غذیر مقبول" مقبول احمد لاری کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس مضمون میں یوپی کی علمی اور معاشرتی زندگی میں غالب اور ان کے شاگردوں کے اثرات کا جائزہ لیا ہے۔

۱۲۔ غالب کی ایک نئی رباعی "تحریر" جلد ۵، شمارہ ۳، ۱۹۰۳ء

اس مختصر مضمون کے دو موضوعات ہیں۔ بالک رام کے پاس فارسی دیوان غالب طبع اول ۱۸۵۵ء کی ایک جلد ہے۔ اس کے حاشیے میں غالب کے شاگرد جواہر سنگھ زہر نے ایک فارسی غزل نقل کر کے اس کی تاریخ دسمبر ۱۸۵۵ء درج کی ہے۔ یہ غزل پہلی بار کلیات غالب ۱۸۶۳ء (دیوان کی توسیع شدہ طبع دوم) میں طبعی ہے۔ زہر کے نوٹ سے اس کی تاریخ تصنیف معلوم ہو گئی۔

اسی دیوان طبع اول کے آخر میں جوہر کے قلم سے غالب کی ایک نئی فارسی رباعی درج ہے۔ چونکہ غالب نے اسی موضوع پر ایک اور بستر رباعی لکھی ہے اس لیے شاید غیر مطبوعہ رباعی کو قلم زد کر دیا۔ عرض طیبانی نے "ارمغان بالک" میں "نگارشات بالک رام" میں اس مضمون کے حوالے سے جو نئی رباعی درج کی ہے ۱۱۰ دراصل مطبوعہ رباعی ہے۔ وہ سوا غیر مطبوعہ نئی رباعی کی جگہ مطبوعہ رباعی نقل کر گئے۔

بالک رام صاحب نے غالب سے متعلق دوسروں کی دو کتابوں کے مقدمات بھی لکھے

۱۱۔ یہ ہیں،

غیر مجروری، "مرقع غالب" ۱۰۱۰ء آباد ۱۹۵۸ء

نریش کمار شاد، "مکتوبات غالب" ۱۰۱۰ء دلی ۱۹۶۰ء

عرض طیبانی نے بالک رام کے دو انگریزی مضمونوں کا بھی ذکر کیا ہے،

یہ دونوں مضمون حکومت ہند کی وزارت اطلاعات و نشریات کی فراہمی پر فروری ۱۹۹۹ء میں لکھے گئے۔ مرثیہ لکھتے ہیں:

”ان مضمونوں کا ترجمہ دنیا کی بیش تر زبانوں میں ہوا تھا۔“

(امریکی نکتہ، ص ۳۰)

یہ یقیناً مبالغہ ہے۔ دنیا میں ہزاروں زبانیں ہیں۔ یہ کتنا بہتر ہوتا کہ ان مضامین کا ترجمہ دنیا کو بیش تر اہم زبانوں میں ہوا۔

طالبیات پر ان کے تقریباً پچاس مضامین پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کی زندگی اور تصانیف کے بارے میں تحقیقی معلومات کے اظہار سے یہ مضامین ان کی مستقل کتابوں سے تھوڑے ہی جگہ رہتے ہیں۔ ذیل کے مضامین اہل نظر۔ دلو طلب ہیں:

۱۔ مرزا غالب (انشائی خاکہ)

۲۔ تاریخی ولادت

۳۔ میرزا یوسف

۴۔ عبدالصمد، استاد غالب

۵۔ نواب شمس الدین احمد علی

۶۔ مقدمہ نمونہ کا مرثیہ دہلی

۷۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت

۸۔ غالب سے منسوب دوسرا سکہ

۹۔ دربار رام پور سے تعلقات

۱۰۔ کلام غالب میں معاشرتی عناصر

۱۱۔ دیوانہ کی کواد

۱۲۔ غالب کی فارسی تصانیف

۱۳۔ غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا ساما)

۱۴۔ ”نادر خلوت“ غالب ”پر ایک نظر

۱۵۔ سہرہ دیوانی غالب نسخہ مرثی
 اگر ملک رام غالب پر مستقل کتابیں نہ لکھ کر محض یہ معاین ہی تصنیف کر دیتے
 تو یہ نایاب ادب میں ان کی جگہ عظام کے لیے کافی تھے۔

حواشی

- (۱) "غالب" از عظام رسول مرہ۔ حوالہ: خواجہ احمد فاروقی، معرکہ غالب و حامیان
 قسطنطنیہ "احوال غالب"، طبع دوم، ص ۱۴۲
- (۲) اوم پرکاش، بھاج، "ذکر غالب"، ایک مستند سولج، "ملک رام، ایک مطالعہ"
 ص ۶۹
- (۳) "بارخ دو در"، "شمسہ ڈاکٹر بہ معین الرحمن (مؤلف)، غالب یا نئی سربانیہ
 (لاہور، فروری ۱۹۹۵ء)، ص ۱۰۰
- (۴) مالک رام صاحب کو یہ مضمون لکھنے کی یہ یادداشت ملی کہ ان کی بھونڈاری کے لیے امر ہے
 سے "نکارشات" نام کا ایک ہزاری پرچہ جاری کیا گیا جس کا خاص مقصد مالک رام
 صاحب کی اور میری بھونڈاری تھا۔

چوتھا باب

تدوین اور ادارت

ملک رام ۔ دو کے قابل ذکر حوالوں میں سے ہیں ، لیکن ان کی اہم خدمات غالب سے متعلق نہیں ، " کرلی کتھا " اور ابوالکلامیات میں ہیں ۔ ان کی غلامیات کی عددیں زیادہ حاملہ نہیں ۔ اگر ان کی کلیات غالب فارسی شائع ہو گئی ہوتی تو وہ اعلا معیار کا کام مانی جا سکتی تھی ۔ ان کی جیسے خدمات غالب ان کی خدمات ابوالکلام کے پابچہ نشی نہیں ۔ ذیل میں ان کا عین زمروں میں جائزہ لیا جاتا ہے ۔

فارسی تالیفات ۔ فارسی اردو مشترک تالیف ۔ اردو تالیفات

فارسی کی خدمات عین ہیں ، دو مطبوعہ ، ایک غیر مطبوعہ ۔

سہد چین

غالب کی فارسی شاعری " ابرگرار " ۱۹۱۱ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئی ۔ اس کے آخر میں دو قصائد اور کچھ قطعات وغیرہ شامل کر دیے گئے تھے ۔ اس سے غالب کو خیال آیا کہ کلیات فارسی کی اشاعت کے بعد انھوں نے فارسی میں جو متفرق کلام کہا جا رہا ہے اسے بھی شائع کر دیا جائے ۔ دوستوں سے لے کر جمع کیا ۔ نواب صحت کی وجہ سے اسے باقاعدہ ترتیب دینے کی ہمت نہ کر سکے ۔ جس طرح ملا تھا ، اسی طرح بے ترتیبی سے " سہد چین " کے نام سے اگست ۱۸۹۷ء میں شائع کر دیا ۔ پہلے میں غالب نے اس نام کے یہ معنی لکھے ہیں ۔

" سہد چین " سیاہ راگیند کہ پایان موسم بر خاصہر ماند و چوں آں را ، چھینند

شاخسار بے بار ماند " ۔

وزیر افسانہ نے بھی یہ کتب مرقب کی۔ وہ اس کے معنی یوں لکھتے ہیں۔

”سہ چین (اس رب مفتوح، و ساکن) ترکیب اضافی نہیں ہے۔ مصدر چین سے اسم مفعول سماجی ترکیبی ہے، یعنی سیوا چیدہ و سہد، یا پکا کچا ٹوڑی بھر پھل جو فصل ختم ہونے پر رہ جاتا ہے۔ یہی معنی غالب نے اپنے دیباچے میں بتائے ہیں۔“

ملک رام کے مطابق ”سہ چین“ طبع اول ۱۸۶۷ء میں ۷۳۵ شعر ہیں (”ذکر غالب“ طبع پنجم، ص ۵۵۵)۔ وزیر افسانہ عابدی کا کہنا ہے کہ یہ تعداد اصل میں ۷۳۳ ہے (”سہ چین“، الذکور ۱۹۹۹ء، ص ۳۰۰، بحوالہ معین الرحمن، ص ۳۳۳)

ملک رام کو ۱۸۶۹ء میں ”سہ چین“ دیکھنے کا شوق ہوا۔ طبع اول نہایت عذر تھی انھیں صدر ید جنگ کے کتب خانے میں اس کا پتا چلا۔ انھوں نے نواب صاحب کو لکھا کہ یہ کتاب انھیں مستحضر دے دی جائے۔ اس پر نواب صاحب نے ایک کاتب سے اس کی نقل کرا کے ۱۸۶۷ء میں بھیج دی۔ چونکہ نقل میں بہت سی غلطیاں تھیں اس لیے ملک رام خود علی گڑھ گئے اور نقل کی تصحیح کی (کالی داں لکھا، ”ملک رام“ ص ۳۱)۔ ملک رام نے اسے ۱۸۶۸ء میں شائع کر دیا۔ جیب گنج سے انھیں غالب کی تصویر بھی ملی تھی، وہ بھی اپنے نسخے کی اجازت میں شامل کر دی۔

ملک رام کا ایڈیشن طبع اول کا شقی نہیں بلکہ ترمیم و اضافہ کے بعد تیار کیا گیا ہے اس کے دو خصائص ہیں،

۱۔ طبع اول میں کلام بے ترتیب تھا، طبع دوم میں مرقب نے صنف دار طریقے سے مرقب کر دیا ہے۔

۲۔ کلیات کے باہر جو کلام مختلف کتابوں میں منتشر پایا تھا اور کسی مجموعے (بشمول ”سہ چین“، طبع اول) میں شامل نہیں ہوا تھا، اسے بھی طبع دوم میں شامل کر لیا ہے۔

”سہ چین“ طبع اول میں ایک فتن جویہ رہائی تھی، ملک رام نے طبع دوم میں

اسے حذف کر دیا (”ذکر غالب“، طبع پنجم، ص ۲۱۸)۔ ملک رام نے اپنا ایڈیشن کے اشعار کی تعداد ۳۴۴ لکھی ہے (ایضاً ص ۱۵۷)۔ معین الرحمن کے مطابق واصل کل ۸۰۸ شعر ہیں۔ میں نے بھی شمار کیا اور ۸۰۸ ہی پائے۔ معین الرحمن کے مطابق ملک رام کو اس لیے سو ہوا کہ ص ۵۳ کے حاشیے میں کسی دوسرے شاعر کا ۳۳ شعروں کا قطعہ درج ہے۔ اس کے اشعار کو بھی شامل کر لیا ہو گا (علمی سرلیپ، ص ۳۶ - ۱۲۳۵) لیکن یہ اشعار ظاہر بھی ۱۱۱۱ ہوتے، ۳۳۴ نہیں۔

اگر طبع اول میں ۵۳۴ شعر تھے جن میں سے ایک رباعی کے دو شعر سوخت کر دیے گئے اور طبع دوم میں ۸۰۸ شعر ہیں تو طبع دوم میں ۵۳ شعروں کا اضافہ ہوا، مرتب کو چاہیے تھا کہ اضافہ شدہ اشعار اور ان کے تآخذ کی نشان دہی کرتے۔

اس کتاب پر ملک رام نے محض ایک صفحے کا حواچہ لکھا ہے جو ناکافی ہے۔ اس کے ساتھ انھوں نے غالب کی جو مفصل سوانح لکھی تھی، اسے علاحدہ کر کے ”ذکر غالب“ کے نام سے چھاپ دیا۔ ”سبد چمن“ کی عیسوی اشاعت وزیر الحسن ماہدی نے لاہور میں ۱۹۱۸ء میں کی۔

دو حنبو

صد سالہ یادگار غالب کمیٹی دہلی نے فروری ۱۹۱۸ء میں غالب کی تصنیف ”دو حنبو“ شائع کی۔ اس میں کسی مرتب کا نام نہیں دیا۔ رشید حسن خان کے ایک خط سے معلوم ہوا کہ یہ ملک رام صاحب کی مرتبہ تھی، گو اس پر ان کا نام درج نہیں تھا۔ میں نے اس کی تصدیق اور تفصیل کے لیے ملک رام کو لکھا، انھوں نے ۵ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ایک خط میں مجھے یہ معلومات دیں۔

”صد سالہ تقریبات کے موقع پر ”دو حنبو“ کا جو ایڈیشن شائع ہوا، وہ میرا ہی مرتب کردہ تھا اور اس کے متن کی تصحیح میں بہت محنت کرنا پڑی تھی، لیکن چونکہ میں نے اس پر نہ مقدمہ لکھا تھا، نہ کچھ اور اضافہ کیا، میں نے اپنا نام اس پر نہیں دیا تھا۔ ”دو حنبو“ کے متن کے تعین کے لیے میرے پاس غالب

کی زندگی کے دونوں ایڈیشنوں کے علاوہ کلیات فارسی نثر کا مکمل ایڈیشن اور ایک قلمی نسخہ جسے یہ آخری نسخہ غالب کا اپنا نسخہ تھا۔

ملک رام نے قن کی تصحیح میں اتنی محنت کی۔ یہ انھیں کی خاکساری ہے کہ چونکہ اس پر کوئی مقدمہ نہیں لکھا تھا، اس لیے اپنے نام کو مٹا دیا۔ "ملک رام، ایک مطالعہ" اور "ملک رام" کے آخر میں حبیہ بانو کی مرقبہ کردہ جہ "توقیت ملک رام" دی ہے، اس میں مرقبہ کردہ کتابوں کی فہرست ہے۔ ان میں "دخنبو" شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ فہرست ملک رام صاحب کے مجموعے سے تیار کی گئی ہوگی، اس میں انھوں نے "دخنبو" اور "بادگار غالب" کو شامل نہ ہونے دیا۔

ان کی مرقبہ "دخنبو" کے شروع میں شیونائن آرام کے مطبع مفید خلائی آگرہ کی طبع اول کا سرورق ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ یہ ایڈیشن "دخنبو" کی طبع اول کا عکس ہے، حالانکہ ایسا نہیں۔ طبع اول میں قصیدہ برگزیدہ ابدا میں ہے اس کے بعد قن شروع ہوا ہے، طبع دوم میں قن کے بعد قصیدہ اور پھر قطعہ دربین روڈنی دہلی ہے۔ مرقبہ کو دہاپے میں واضح کرنا چاہیے تھا کہ وہ "دخنبو" کے کس ایڈیشن کو پیش کر رہے ہیں۔ میرے استفسار پر کالی داس گپتا رضانا نے مجھے بتایا کہ ملک رام کے پاس "دخنبو" کا ایک پیش بہ محفوظ تھا جس کے حواشی بلاشبہ غالب کے قلم سے ہیں۔ اب یہ نسخہ کالی داس گپتا کے پاس آگیا ہے۔ ملک رام کے ایڈیشن میں اسی کی ترسیب برقرار رکھی ہے۔ ان کے ایڈیشن میں سرورق کے بعد کے صفحے پر چند سطور میں مختلف (غالب) کا نام، تخلص، ولادت و وفات اور مدفن اور اس کے نیچے غالب کی تصانیف، اردو، فارسی اور انتخابات کے نام ہیں۔ ان میں کچھ ایسے مجموعے شامل ہیں جو بیسویں صدی میں مرقبہ ہوئے۔ ملک رام نے محض ان مجموعوں کے نام دیے ہیں، مرتبین کے نہیں۔ ایسے مجموعے حسب ذیل ہیں جن کی تفصیل میں توسیع میں درج کرتا ہوں۔

مکاتیب غالب (مرتبہ مولانا عرشی، ۱۹۳۷ء)۔ عادات غالب (مرتبہ آفاق حسین آفاق

کراچی، ۱۹۳۹ء۔ انتخاب غالب (عبدالرزاق راشد، حیدر آباد، ۱۹۳۶ء)۔ انشاء غالب (غیر مطبوعہ، مرتبہ غالب، ۱۸۶۵ء کے لگ بھگ، نسخہ مملوکہ عبدالستار صدیقی)۔ (۲)۔
ان میں سے بعض مجموعوں کے ساتھ مرقب کا نام یا دیگر تفصیلات نہ دی جائیں تو انہیں کون شناخت کر سکتا ہے، مثلاً رقعۃ غالب، انتخاب غالب، انشاء غالب کو۔
اردو تصنیفات میں "نکات غالب" و "رقعات غالب" کو بھی شامل کیا ہے۔ دونوں کے نام کے بیچ "کا" لگانا سب کا حق ہونا چاہیے۔ یہ دو علاحدہ رسائل ہیں جنہیں غالب نے ایک ساتھ فروری ۱۸۶۷ء میں شائع کرایا۔ معین الرحمن کی کتاب سے ان کا تعارف درج کیا جاتا ہے۔

"نکات غالب" ۲۰ صفحے، "بیچ آہنگ" کے آہنگ دوم کا اردو ترجمہ معمولی تبدیلیوں کے ساتھ "رقعات غالب" ۱۷ صفحے، "بیچ آہنگ" سے منتخب ۱۵ فارسی خطوط (ص ۱۳۳)۔

چونکہ یہ دونوں رسائل "بیچ آہنگ" سے ماخوذ ہیں، اس لیے مختصر فہرست میں ان کے نام دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اگر نام دینے ضروری تھے تو "رقعات غالب" کو اردو کے نہیں، فارسی کے ذیل میں دینا تھا۔ اگر حیات غالب کے بعد کے چند مجموعوں کے نام دیے ہیں تو ایسے دوسرے مجموعوں کے بھی دینے چاہئیں، مثلاً:

"مسترقعات غالب"، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی، رام پور، ۱۹۳۷ء۔ "مغربی نگ غالب" مرتبہ مولانا عرش، ۱۹۳۷ء۔ "آئینہ غالب" (بعد میں نام "آئینہ غالب") از قاضی عبدالودود ۱۹۳۸ء۔ "غالب کی مادر تحریریں" از خلیق انجم، ۱۹۷۷ء۔

دراصل کتاب کے شروع میں دو چار صفحات کا دیباچہ ضروری تھا جس میں غالب کی دوسری تصانیف نہ دئے کر "دخنبو" کی شانِ نعل بیان کی جاتی۔ قرنِ کتب کی شروعات ایک شعر سے ہوتی ہے جو یوں چمکا ہے،

خام خداوند چرخِ کر
سر و مہر ساز و روز و شب گر

دوسرا مصرع وزن اور کافے دونوں کے اعتبار سے ناقص ہو جاتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یوں ہونا چاہیے، "مر و مر ساز و شب و روز گر"۔ میرے استفسار پر کالی داس نے گپا نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء میں بتایا کہ تمام مطبوعہ اور قلمی نسخوں میں "شب و روز گر" ہی ہے۔ مرغب یا کاجب کے سو سے صدیقی کے ایڈیشن میں "روز و شب گر" چھپ گیا۔ کتاب کے سرورق پر اس کی زبان کے لیے لکھا ہے "بہان فارسی قدیم ہے آمیزش لفظ عربی"۔ ملک رام نے "ذکر غالب" طبع دوم میں "دخنبو" کی خصوصیات میں یہ بات دہرا دی۔ قاضی عبدالودود نے اپنے تبصرے میں ملک رام سے پوچھا کہ وہ الفاظ ذیل کا خالص پادری ہونا ثابت کریں،

چلو ۱۰، ماتم ۱۱، بھل ۱۲، تھا ۱۳، نام ۱۴، اردو ۱۵، میگزین ۱۶، ہزر ۱۷، فرماش ۱۸، پورش ۱۹، نوکری ۲۰، قراج ۲۱، (اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۱۲۱)۔

مفسر الرحمان مطلع کرتے ہیں کہ سید جمیل الدین نے اپنے چار قسطی مقالے "دخنبو کا ایک خاص نسخہ" میں کچھ عربی کلمات کی مثال دی ہے،

نام، زمزمہ، شرر، صاحب، کھو، کیس، خونا، خنجر۔

ان میں سے بعض الفاظ بظاہر فارسی کے ہیں لیکن ان کی اصل عربی ہے۔

ملک رام نے "ذکر غالب" طبع پنجم میں پہلی دو اشاعتوں کے بیان میں ترمیم کر کے یوں لکھا،

"اس میں انھوں نے نصیحت پادری زبان لکھنے کی کوشش کی ہے جس میں

عربی کا کوئی لفظ استعمال نہ ہو، سوائے جہوں کے کہ انھیں جوں کا توں لکھنے

پر وہ مجبور تھے پھر بھی بعض عربی لفظ آگئے ہیں، مظا، زمزمہ، صاحب، ماتم،

ہوا، نواب، نادر، کھوکھو وغیرہ"۔ (ص ۱۳۹)

بستر ہوتا کہ یہاں ملک رام احترام کر لیتے کہ انھوں نے ان الفاظ کی شناخت کن کے تبصروں کے بعد کی ہے۔

قدیم فارسی کی پابندی کی وجہ سے اس کتاب میں بہت اجنبی الفاظ استعمال کرنے

ہے۔ مالک رام کے ایڈیشن میں ہر صفحے کے فٹ نوٹ میں ایسے چند الفاظ کے معنی درج کر دیے ہیں۔ حیات غالب کے "دخنبو" کے ایڈیشنوں میں یہ فرہنگ نہ تھی "حکایت مرثیہ غالب" ۱۸۶۸ء میں جو "دخنبو" شامل تھی ۱۰ اس میں پہلی بار چار صفحوں پر "دخنبو" کے مشکل الفاظ کی فرہنگ ملتی ہے (معین الرحمن، ص ۳۰۰)۔ کالی داس گپتا رحمان نے مجھے بتایا کہ حکایت میں فرہنگ متن کے آخر میں ہے اور حروف تہجی کے اعتبار سے ہے، جبکہ مالک رام کے مخطوطہ "دخنبو" میں ہر مشکل لفظ کے معنی متن کے ساتھ جڑھے ہی میں بخجہ غالب، درج ہیں۔ مالک رام نے اسی کی نقل کی ہے۔ اس طرح محسوس ہوتا ہے کہ مالک رام کو ایک دیباچہ لکھ کر کئی امور واضح کرنے چاہیں تھے۔ انھوں نے "دخنبو" پر الگ سے ایک مضمون لکھا جو "آج کل" فروری ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ ان کے مجموعے "تحقیقی مضامین" ۱۹۷۷ء میں شامل ہوا، اسی کو قدرے اضافے کے ساتھ اپنے ایڈیشن کا دیباچہ بنا سکتے تھے۔ اس مضمون میں "دخنبو" کے کئی ایسے بیانات کی طرف توجہ دلائی ہے جو صحیح نہیں اور جنھیں غالب نے قصداً رنگ آمیزی کر کے بیان کیا ہے۔

حکایت غالب فارسی یا دیوان غالب فارسی غیر مطبوعہ

مالک رام نے اپنے مجموعے "تحقیقی مضامین" کے پہلے مضمون "غالب کے فارسی قصیدے (کچھ نیا کلام)" کی ابتدا ان جملوں سے کی ہے،

"بہت دن ہوئے میں نے غالب کا فارسی دیوان مرقب کیا تھا، اس کے لیے میں نے گیارہ نسخے استعمال کیے تھے، نو (۹) خطی اور دو ان کی زندگی کے مطبوعہ نسخے۔ افسوس کہ ایک مرحوم سرہن کے کرم کے صدقے یہ شائع نہ ہوا۔ غیر یہ دوسرا قصہ ہے۔" (ص ۱۱)

میں نے نومبر ۱۹۸۶ء میں ایک ملاقات میں مالک رام سے دریافت کیا کہ آپ اپنی مرقبہ "حکایت غالب فارسی" کیوں نہیں شائع کرتے۔ انھوں نے انکشاف کیا کہ ایک نندہ ہوا قاضی عبدالودود ان کا مرقبہ کردہ مستودہ یہ کہہ کر لے گئے کہ وہ اسے شائع

کر دیں گے۔ اس کی چند غزلیں شائع کیں، اس کے بعد عاسوش ہو گئے۔ دس سال بعد مستودہ اس شکل میں واپس کیا کہ اس کے بیچ میں سے ۳۰ اوراق (یا صفحات) غائب تھے مسمیٰ یہ تھا کہ معذرت یا افسوس کا ایک لفظ نہ کہا۔ ملک رام کہتے تھے کہ اب میری ہمت نہیں کہ جملہ تہذیب فرام کر کے از سر نو ان اوراق کو ترتیب دوں۔ ہاتھ الوسط کتاب کو شائع نہ کر سکتے تھے۔

ایک محقق سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مخطوطات، بالخصوص دوسروں کے مستودات کی دل و جاں سے حفاظت کرے گا نہ کہ کمالی بے نیازی سے انھیں تلف ہونے دے گا ملک رام کا طرف دیکھیے کہ کسی تحریر میں اس ادبی اطفال کا شکوہ تو درکنار، ذکر بھی نہیں کیا۔ مطوم نہیں، اب یہ ہاتھ الوسط نسخہ کہاں ہے، کم از کم کالی داس گیا کہ نہیں ملا۔

اردو فارسی مشترک مدوین

گل رحمت

غالب نے لکھتے میں اپنے اردو فارسی کلام کا انتخاب "گل رحمت" کے نام سے کیا تھا لیکن وہ گم ہو گیا۔ حسرت موہانی کے پاس کچھ اوراق تھے، لیکن ۱۹۵۱ء میں ان کے انتقال کے بعد ان کا بھی کچھ پتا نہ چلا۔ ۱۹۵۷ء میں ملک رام کو اس کا مکمل نسخہ اپنے افسر استاد سید نقی بلگرامی سے ملا۔ یہ حماد الملک سید حسین بلگرامی کے چوتھے تھے اور یہ مخطوط حیدرآباد میں حماد الملک کے کتب خانے میں تھا۔ حماد الملک کے دادا مولوی سید کرم حسین لکھتے میں شاہ اودھ کی طرف سے گورنر جنرل کے یہاں سفیر تھے۔ غالب نے چکنی ڈلی کا قلعہ انھیں کی قربانی پر کھا تھا۔

مرثی صاحب نے ملک رام سے اس نسخے کا عکس لے کر اپنا مرتبہ نسخہ مرثی (۱۹۵۸ء) کے مقدمے میں اس کا تعارف کرایا اور اختلاف نسخ کے لیے اس کے متن کا جہاز استعمال کیا۔ ملک رام نے "نگار" جولائی ۱۹۶۱ء میں اس کے فارسی حصے کا اور

”ذکرِ فاکر“ ۱۹۱۸ء میں اس کے اردو حصے کا تعارف کرایا۔ حسن لفظی سے ۱۹۳۹ء اور اس کے کچھ بعد لاہور میں ”گلِ رحمت“ کے دو مکمل نسخے اور ایک ناقص انتخاب دریافت ہو گئے۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

- ۱۔ ”گلِ رحمت“ کا مکمل نسخہ بخطِ غالب ۱۰۳۸ء، مملوکہ خواجہ محمد حسن۔ ڈاکٹر سید معین الرحمن نے اپنی کتاب ”اشاریہ غالب“ (فروری ۱۹۶۹ء) میں اس نسخے کا تعارف اور چار متفرق صفحوں کا عکس شائع کیا۔ بعد میں یہ دونوں چیزیں ”مختوش“، غالب نمبر حصہ دوم، اکتوبر ۱۹۶۹ء میں بھی شائع ہوئیں۔ خطوط کے وہاں کے آخر میں تائیدِ غرض راجع الدل ۱۳۳۳ھ چلی ہے، یہ مطابق ہے ۱۰ ستمبر ۱۳۵۸ء کے۔ یہی ”گلِ رحمت“ کی تائیدِ تالیف قرار پاتی ہے، ”غالب کا علمی سرمایہ“، ص ۳۷۹، ۳۸۰ء
- ۲۔ دوسرا مکمل نسخہ صغیر بلگرامی کے پوتے دمی احمد بلگرامی کے پاس تھا۔ انھوں نے اسے مشفق خواجہ کو دے دیا جنھوں نے اس کی تہذیب کا کام سید قدرت نقوی کے سپرد کیا۔ نقوی صاحب نے اس کا تعارف رسالہ ”اردو“ کراچی شمارہ جنوری تا مارچ ۱۹۷۱ء میں کرایا۔ بعد میں اس کا متن انجمن ترقی اردو پاکستان سے ۱۹۷۵ء میں کتابی شکل میں شائع ہوا۔

۳۔ ناقص اور ناقص نسخہ مملوکہ حکیم محمد بی خان جمال سویدا (نیرۃ حکیم، اجمل خان) مکتوبہ قاضی عزت اللہ دہلوی۔

میرے علم کی حد تک ”گلِ رحمت“ کے مطبوعہ ایڈیشن مین ہیں،

۱۔ مرتبہ بانک رام دہلی، مئی ۱۹۷۰ء

۲۔ مرتبہ وزیر حسن ماہدی، لاہور۔ اس پر تائیدِ طباعت دسمبر ۱۹۶۹ء درج ہے لیکن اس کی واقعی طباعت ۱۹۷۰ء کے آخر میں ہوئی (معین الرحمن، ص ۳۷۰)۔ معین الرحمن کے مطابق یہ کسی خاص نسخے پر مبنی نہیں بلکہ کئی جگہ سے استفادہ کر کے تیار کیا گیا ہے۔

۳۔ مرتبہ سید قدرت نقوی۔ یہ دمی احمد بلگرامی کے نسخے کو پیش کرتا ہے۔ یہ اذکار رسالہ ”اردو“ جنوری تا مارچ ۱۹۷۱ء سے قسط وار چھپنا شروع ہوا۔ ۱۹۷۵ء میں یہ کتاب

صورت میں شائع ہوا۔

پروفیسر معین الرحمن نے اپنی کتاب ”حلب کا علمی سرمایہ“ میں اس نسخے کی تفصیل ص ۳۷۵ سے ۳۸۱ تک دی ہے۔ ان کے بقول انھوں نے اس کے بعض چار صفحے ”اشعار حلب“ اور ”فتوح“ میں طبع کرائے تھے۔ انھوں نے جیسے متن کی مطابقت کا ذکر نہیں کیا، لیکن مالک رام اپنے ”گلِ رحمت“ کے مقدمے میں نسخہ محمد حسن کے لیے لکھتے ہیں،

”حسن اتفاق سے اس کے متن کے مطبوعہ صفحات مجھے اس کتاب کے مطبع میں بھیجے جانے سے پہلے دیکھنے کو مل گئے چنانچہ حواشی میں جہاں حرف ’ل‘ ہے، اس سے یہی قلمی نسخہ لاہور کے مطبوعہ صفحات مراد ہیں۔“
(مقدمہ ”گلِ رحمت“ ص ۵۶)

اختلاف نسخ کے حواشی میں اس نسخے ”ل“ کا اس کثرت سے حوالہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے پورا متن شائع ہوا ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ مالک رام نے وزیر الحسن عابدی ایڈیشن کے مطبوعہ صفحات دیکھے ہیں اور انھیں خواجہ محمد حسن کے نسخہ بخط حلب کی مطبوعہ شکل کچھ لیا ہے، لیکن معین الرحمن کے مطابق ایسا نہیں ہے۔ کالی داس گپتا کے مطابق بھی خواجہ محمد حسن کا نسخہ شائع نہیں ہوا۔ اب صورت حال یہ ہوئی کہ ”گلِ رحمت“ کا مکمل نسخہ سب سے پہلے مالک رام کے ہاتھ لگا، لیکن اس کا تعارف اور اشعار کی تفصیل عرشی صاحب نے نسخہ عرشی ۱۹۵۸ء میں پیش کی۔ ”گلِ رحمت“ کی اشاعت دہلی اور لاہور دونوں جگہوں سے ۱۹۶۰ء میں ہوئی مگر عابدی کے ایڈیشن میں تاریخ اشاعت دسمبر ۱۹۶۹ء درج ہے۔ اگر مالک رام ۱۹۵۷ء سے بارہ حیدر سال تک اس نسخے کو لیے نہ بیٹھے رہتے تو اس کے تعارف اور اشاعت کی تولیت کا لڑا انھیں مل سکتا تھا۔

مالک رام کے حیدر آبادی نسخے کے شروع میں جو فارسی نثری دیباچہ ہے، اس کے آخر میں تاریخ اشاعت یوں دی ہے، ”محرمہ، ۱۰ شوال ۱۲۰۰ھ“ گویا صدی کا حد ہے دہائی اور اکائی کے نہیں۔ اب مالک رام صاحب سنیں جس طرح طے کرتے ہیں، ان کا

خلاصہ یہ ہے :

چونکہ کرم حسین کلکتہ میں غالب کے ہم نصیب تھے ، اس لیے غالب نے " گلِ رحما " جیوں ہی مرقب کی ہو گی ، انھوں نے اس کی نقل لے لی ہو گی ۔ خواجہ محمد حسن کے نسخے کے آخر میں ہمیشہ فرخ ربيع الاول ۱۲۳۳ھ (یعنی ۱۱ ستمبر ۱۸۱۸ء) درج ہے ۔ نو بلک رام کے کاتب نے اپنی کتابت کی ہمیشہ لکھنی چاہی ہو گی نہ کہ نسخہ منقول عند کی ۔ اگر میرا قیاس درست ہو تو یہ زیر نظر نسخہ شوال ۱۲۳۳ھ کا کتابت کردہ ہے ۔ سال تحریر کی عدم تکمیل غالباً قیہ ہے کاتب کے سالِ ہجری سے ملاقیست کا " (مقدمہ ص ۲۰)

اب دوسری طرف کاتب نے قلمی نسخے کے غلطے کی مٹر کے اختتام میں لکھا ہے ، " محمد رسول اللہ ، محمّد دوم عرم اطرام " اور اس کے بعد جلی عنوان ہے " خاتمہ دیوان فارسی " لیکن اس کے آگے خاتمہ دیوان فارسی کی عبارت نہیں دی (مقدمہ ص ۲۰) ۔ ص ۲۰ پہنچ کر " مطبوعہ ۱۲۸۵ھ اور " کلیات مٹر غالب " مطبوعہ ۱۸۱۸ء دونوں میں یہی صورت ہے کہ " گلِ رحما " کے غلطے کی مٹر کے بعد یہی الفاظ ملتے ہیں ، " محمد رسول اللہ ، محمّد دوم عرم اطرام ، خاتمہ دیوان فارسی " (معین الرحمن ص ۱۰) ۔ اس سے قیہ لکھا ہے کہ کاتب نے " گلِ رحما " کے غلطے کی فارسی مٹر کلیات مٹر کے کسی قلمی یا مطبوعہ نسخے سے نقل کی ہے ۔ بلک رام کہتے ہیں ، " چونکہ کلیات مٹر فارسی کے کسی نسخے میں گلِ رحما کا قلم نہیں ملتا ، اس لیے یہ قیاس درست نہیں ہو گا " (مقدمہ ص ۲۱) بلک رام اس فقرے " خاتمہ دیوان فارسی " کی کوئی تبدیلی نہ کر سکے اور بات بیچ آدمی میں چھوڑ دی ۔ سید قدرت نقوی نے رسالہ " اردو " کراچی شمارہ ۱۰۱ ۱۹۶۱ء میں بلک رام کے مشکوٹے کی ہمیشہ شوال ۱۲۳۳ھ پر اعتراض کیا ۔ یہ سبب ۱۲۸۵ھ میں آتا ہے غالب کا دیوان فارسی پہلی بار " سے خاتمہ آرزو سراپاجام " کے نام سے ۱۲۵۱ھ میں مرقب ہوا ۔

ڈاکٹر معین الرحمن کہتے ہیں کہ " گلِ رحما " کے نسخہ بخیر غالب (نسخہ محمد حسین) اور بلک رام کے نسخے کے اختلافات کے پیش نظر یہ طے ہو جاتا ہے کہ نسخہ بلک رام غالب

کے خفی نسخے کی نقل نہیں، اگر ہونا بھی تو یہ کیوں لازم ہے کہ نسخہ مالک کے کاتب نے لازماً اسی سال ۱۲۳۲ھ میں نقل کیا۔ اگر اس سے نقل کرنا تو اس کے سبب بھی سے بلاوقتیت کا کیا سوال ہے۔ اس کے علاوہ اُن دنوں معاشرے میں بھی سنہ ہی رائج تھا۔ کاتب اس سے بلاوقف کیونکر ہو سکتا تھا (طلی سربایہ، ص ۱۴۴)۔ سید قدرت نقوی نے رسالہ ”اردو“ کراچی شمارہ ۱۰۱، ۱۹۷۱ء میں مالک رام کے نسخے کی تاریخ حوالہ ۱۲۳۳ھ قبول نہیں کی اور اس کے رد میں مختلف دلائل دیے جن سے مصنف الرحمان بھی کلم و بیش حلق ہیں۔

کاتب نسخہ مالک خاتے میں ”خاتمہ دیوان فارسی“ کا فقرہ لکھتا ہے۔ یہ دیوان سب سے پہلے ۱۸۳۵ء میں مرتب ہوا۔ یہ پکا ثبوت ہے اس بات کا کہ نسخہ مالک رام ۱۸۳۵ء یا اس کے بعد کا مکتوب ہے۔ ”گل رحمت“ کے اصلی خفی نسخے بخط غالب کی مثر خاتمہ اور نسخہ مالک کی مثر خاتمہ میں بہت اختلاف ہے۔ نسخہ مالک کی مثر خاتمہ لفظ بہ لفظ ”بیچ آہنگ“ اور ”کلیات مثر غالب“ میں مشمولہ مثر خاتمہ سے ملتی ہے، اس لیے یہ انھیں کے قلمی یا مطبوعہ نسخے سے نقل کی گئی ہو گی، یا پھر ”گل رحمت“ کا کوئی ایسا نسخہ ہو سکتا ہے جس میں ”خاتمہ دیوان فارسی“ کا جمل عنوان کھد دیا، اس کے آگے نقل کرنے سے روک دیا گیا ہو گا (طلی سربایہ، ص ۱۵۶)۔ اس طرح اس نسخے کی کاتبیت ۱۸۳۵ء اور ۱۸۸۲ء کے بیچ کسی وقت ہوئی ہو گی۔ ۱۲۹۹ھ مطابق ہے ۱۸۸۲ء کے (ایضاً ص ۱۵۳-۱۵۴)۔

سید قدرت نقوی کے دلائل وزنی ہیں۔ سید قدرت نقوی نے مالک رام پر خورشیدیت کا الزام لگایا ہے کہ انھوں نے قصداً اپنے نسخے کو نسخہ غالب کی نقل اور اسی عہد کا کاتبیت شدہ قرار دیا (ایضاً ص ۱۵۵)۔

مالک رام کا مکتوبہ ”گل رحمت“ اب کافی داس گپتا رضا کی ملکیت ہے۔ میرے اختصار پر انھوں نے اس کے بارے میں حسب ذیل اہم معلومات ہم پہنچائیں۔

میری رائے میں اس مکتوبے میں دیباچہ اور انتخاب کلام اردو و فارسی غالب کے زیر نظر تیار کی گئی آخری روایت کی نقل ہے۔ یہ نقل ۱۸۳۵ء کے بعد پایہ تکمیل کو

پہنی مگر روایت اس سے بہت پہلے مرقد ہو گئی ہوگی، کیونکہ،

۱۔ اس میں کچھ اشتراط بڑھا دیے گئے ہیں اور کچھ کم کر دیے گئے ہیں پہلی روایتوں سے۔

۲۔ اس میں "آشتی نامہ" اور "خاتمہ" "گل رعنا" شامل نہیں کیے گئے۔ قیاس ہے کہ غالب ان ہر دو کو شامل کرنا ہی نہیں چاہتے تھے۔

۳۔ اس میں دیباچہ نہیں لکھیں وہ نہیں ہے جو "بیچ آہنگ" قلمی میں ہے (کیونکہ یہ دیباچہ "گل رعنا" مشمولہ "بیچ آہنگ" قلمی کی نقل نہیں ہے بلکہ غالب کا ترمیم کردہ آخری متن ہے)۔

۴۔ نقل کرنے والے نے جب یہ مخطوط تیار کیا تو آخر میں "خاتمہ" "گل رعنا" بھی "بیچ آہنگ" قلمی کو سامنے رکھ کر نقل کر دیا، کیونکہ مخطوطے کے "خاتمہ" "گل رعنا" کا حرف حرف "بیچ آہنگ" قلمی کے "خاتمہ" "گل رعنا" کے مطابق ہے۔ اس کے بعد جیسا کہ "بیچ آہنگ" قلمی میں ہے، اس نے عنوان "خاتمہ دلچسپ قاری" لکھا ہی تھا کہ اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اس نے قلم ویں روک دیا۔

۵۔ جب معین الرحمن اور قدردست نقوی کے مضامین شائع ہوئے تو میں نے ایک دفعہ مالک رام سے گفتگو کی تھی اور کہا تھا کہ بہت ہادہ کی سے دیکھنے کے بعد نم سوال ۳۴ کے بعد بہت دھندلا سا ۳۵ء لکھا ہوا لگتا ہے اور ۳۶ء یہ مخطوط نم سوال ۳۵ء کو لکھا گیا ہو گا یعنی نقل کیا گیا ہو گا۔ انھوں نے جتنی صد سالہ نکالی اور کہا کہ "یہ نمیک معلوم ہوتا ہے" اس روز صبح بھی تھا "۔ یہ مطابق ہوا ۳ دسمبر ۱۳۵۵ء کے (میرے نام مکتوب، مورخہ ۲۳ اگست ۱۳۵۵ء اس خط سے دو مفید معلومات ملتی ہیں)۔

۱۔ مالک رام کا مخطوطہ "گل رعنا" مخطوطہ خواجہ محمد حسن کے بعد کی وہ ترمیم شدہ روایت ہے جو خود غالب نے تیار کرائی۔

۲۔ یہ مخطوطہ ۳ دسمبر ۱۳۵۵ء کا مکتوبہ معلوم ہوتا ہے۔

مالک رام کا "گل رعنا" ۳۵ء صفحوں کا مقدمہ بہت سیر حاصل ہے۔ اس کی ابتدا میں غالب کے قیام کلکتہ، وہیں کے ادبی ماحول اور صاحب فرمائش "گل رعنا"

سراج الدین احمد کا جدِ گھر ہے۔ اس کے بعد اپنے فحج کی دریافت، نیر سید نفی بلگرامی کے دادا کے دادا سید کرم حسین کے حالات ہیں، پھر نسج کی تفصیل ہے۔ مقدمے کی فصل نمبر ۷ میں بانک رام نے کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا اور بتایا کہ غالب نے "اسد" تخلص چھوڑ کر "غالب" تخلص کب اختیار کیا۔ آزاد نے جو لکھا ہے کہ غالب کے معادل دیوان کو مولوی فضل حق اور مرزا غانی کو تو ال شر دہلی نے انتخاب کیا، اسے بانک رام افسانہ طرازی قرار دیتے ہیں کیونکہ مولوی فضل حق فاضل وینیات تھے، فاضل ادب نہیں۔ مرزا غانی کو تو ال شر قنیل کے خاکرو تھے۔ انتخاب خود غالب نے کیا۔ آزاد نے غالب کو مضمون کرنے کے لیے یہ افسانہ گڑھا تھا۔ بانک رام نے بھی بات اپنے مضمون "دیوان اردو کی کہانی" مشورہ "گفتار غالب" میں دہرائی ہے۔

بعض نقاد اس بات پر مصر ہیں کہ غالب ابتدا میں مشکل عیالیت مشکل زبان میں ادا کرتے تھے، بعد میں میر کے اثر سے آسان گوئی اختیار کی۔ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے۔ بانک رام نے ان کی متعدد مشورہ آسان غزلوں کی نقوش دی کی جو ابتدائی مخطوطوں میں موجود ہیں یعنی آغاز عشق کی تصنیف ہیں۔ یہی بات انھوں نے اپنے مضمون "میر اور غالب" مشورہ "گفتار غالب" میں لکھی۔ اس قابلِ قدر مقدمے کے بعد "گلِ رعنا" کا متن ہے۔ متن کے شروع اور آخر میں غالب کی فارسی نثر ہے، اس کے بعد مرتب نے مفصل حواشی لکھے ہیں۔ ان کی جامعیت کا اندازہ اس سے ہو گا کہ غالب کے چار صفاتی فارسی دہاپے سے متعلق ۷۷ حواشی ہیں۔ کل چالیس ٹکٹی کتابت کے ۷۷ صفحات کو محیط ہیں۔

رسالہ "تحریک" میں ایک مضمون نگار نے "گلِ رعنا" میں منقول دو اشعار کی غیر موزونیت پر اعتراض کیا تھا، حالانکہ یہ یقیناً سو کتابت تھا۔ (۱۷)

مرحبا سوسن و جاں بخشی اہل غالب
خندہ برگرہی طغر و سکندر دارم
انتظار گل رعنا میں ۱۷۷

سوں سے ہمارے ہندی سون مراد ہے جو ہر سال سیلاب میں نمایاں ہوتی ہے۔ یہ شعر مقدمے کے علاوہ "گل رحمت" کے قن میں ص ۴۸ پر بھی ہے اور وہاں پہلے مصرع کا قن یوں دیا ہے۔

مرحبا سون و جاں بخشید آتش غالب

ایسا نہیں ہو سکتا کہ معترض نے مقدمے میں وہ غیر سونوں اور مبہم مصرع دکھ کر صحیح لفظ جاننے کی کوشش نہ کی ہو، اس نے قن میں دکھ لیا ہو گا، لیکن چونکہ اعتراض کرنا مقصود تھا اس لیے مقدمے کے سبکدہ پر گرفت کرنی اور قن کے صحیح مصرع کی بات گول کر دی۔

(ب)

من کر ستم ظریف نے مجھے کو اٹھا دیا کہ یوں

(گل رحمت، ص ۵۰)

"کر" سبکدہت ہے سب جانتے ہیں کہ اس مشہور شعر میں "من" کے ستم ظریف — "ارغ" ہے چنانچہ ملک رام صاحب کے مرتبہ آزاد کتاب گھر کے دیوان غالب پر صدی ایڈیشن دونوں میں "من" کے "ہی" دیا ہے۔

ان دونوں الفاظ کتابت سے قطع نظر، یہ کونا نامناسب نہ ہو گا کہ "گل رحمت" کی ترمیم حدیث قن کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ پاکستانی ایڈیشن میری نظر سے نہیں گزرا۔

اردو حدیثات اور ادارت

اس ذمے کے تحت غالب کی مین تصانیف کی حدیث اور غالب سے متعلق ایک مجموعہ مضامین "عیار غالب" کی ادارت آتی ہے۔

دیوان غالب

ملک رام صاحب نے غالب کے اردو دیوان کو ترمیم دیا۔ پہلی بار اسے آزاد کتاب گھر دہلی نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا۔ اس کا گم از گم ایک ایڈیشن اور نکلا۔ میرے سامنے جو نسخہ ہے، اس پر:۔ سن اشاعت درج ہے، ایڈیشن کی صراحت ہے۔ مقدمے پر ضرور

۱۹۵۷ء درج ہے لیکن سرورق پر ”بعد نظر مئی“ لکھا ہے۔ ممکن ہے، یہ دوسرا ایڈیشن ہو، کیونکہ میں نے اس کا پہلا ایڈیشن دیکھا تھا جس میں یہ سینڈ فیل شامل تھی،

پیرا ۱۰ سال غالب سے کش کرے گا کیا

بھوپال میں مزے جو دو دن قیام ہو

اس نسخے میں نہیں، اس طرح یہ دوسرا ایڈیشن ہو سکتا ہے، لیکن ملک رام صاحب کے مرتبہ ایڈیشن پر سزا اشاعت اور ایڈیشن کی صراحت نہ ہونا تعجب خیز ہے۔ زیر نظر ایڈیشن کے شروع میں ۳۶ صفحات کا مقدمہ ہے، پھر غالب کا ۱۹۳۸ء والا فارسی دیباچہ اس کے آگے نکلائی ایڈیشن ۱۹۵۴ء کے مطابق مداولہ دیوان غالب کا متن ہے، اس کے آگے کچھ ایسا کلام ہے جو مداولہ دیوان میں نہیں بلکہ دوسرے ذریعوں سے لیا گیا ہے۔ سب سے آخر میں ۳۲ صفحات پر نعتہ حیدریہ سے لے کر قلم زد کلام کا انتخاب دیا ہے۔ آزاد کتاب گھر کی طبع اول غالب کے دیوان کا پہلا تحقیقی ایڈیشن ہے جس میں صحت متن کی طرف توجہ کی گئی ہے اور کسی حد تک اختلاف رفع دیے ہیں۔ اتفاق سے اس کے ایک ہی سال بعد ۱۹۵۸ء میں عرشی صاحب کا نعتہ عرشی شائع ہو گیا جس کی وجہ سے ملک رام کا مرتبہ دیوان غالب اپنی اہمیت کھو بیٹھا۔

۱۹۶۹ء میں صد سالہ یادگار غالب کمیٹی نے محسوس کیا ہو گا کہ اس موقع پر غالب کی سب سے مقبول تصنیف دیوان غالب کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا جائے جو صحیح بھی ہو، دیدہ زیب بھی اور قیمت میں ارزاں بھی۔ قیچے میں ملک رام صاحب کا مرتبہ دیوان غالب صدی ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں شائع کیا گیا جس کا کافہ نقیص اور موٹا، کتابت و طباعت دیدہ زیب، جلد مضبوط کسچ کی ہے اور اس کے باوجود قیمت صرف پانچ روپے ہے۔ ظاہر ہوا، یہ کوئی تحقیقی ایڈیشن نہیں بلکہ عام قارئین کے لیے ہے۔ اس میں ایک صفحے پر غالب کا تعارف اور تصانیف کی فہرست ہے۔ اس کے بعد صرف دو صفحات کا مقدمہ بنام ”تعارف“ ہے۔ پھر غالب کا ۱۹۳۸ء کا فارسی دیباچہ ہے جو صدی رائے میں خیر ضروری ہے۔ اس کے بعد مداولہ دیوان کے نکلائی ایڈیشن کا متن ہے

لیکن اس میں سولہ شعر زیادہ ہیں۔ چار شعر ”غم کیا ہے، غم کیا ہے“ والی غزل میں اور دس شعر سرے کے، جو حیرت ہے کہ نظامی ایڈیشن میں نہیں تھا۔

رشید حسن خان صاحب نے اس صدی ایڈیشن پر ایک ضمیمہ طویل معترضانہ تبصرہ لکھا جو ”تحریک“ کے غالب نمبر ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا اور بعد میں ”اردو تحقیق اور مالک رام“ نام کی کتاب میں آخری بار ان کے مجموعے ”اولیٰ تحقیق، مسائل اور تجزیہ“ (جل ۱، ۱۹۷۸ء) میں قدوس ترمیم کے بعد آیا۔ میں نے اپنے مضمون میں دیوان غالب کا تبصرہ لکھتے وقت ”اردو تحقیق اور مالک رام“ ہی پیش نظر رکھی تھی اس لیے میں اسی کے مضمون کا حوالہ دے رہا ہوں۔

انھوں نے یہ مضمون بڑی دیدہ ریزی کے بعد لکھا ہے۔ اس سے ان کے غن نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ کاش انھوں نے اسے خیر جذباتی رنگ میں لکھا ہوتا اور غامیوں کے بیان کے ساتھ ساتھ مالک رام کے اکتسابات پر سیاحت پھیر دی ہوتی؛ مضمون کے ایک دسے پن کو نظر انداز کرتے ہوئے میں اس کے بعض مطالب سے متعلق اپنے مشاہدات عرض کرتا ہوں۔

۱۔ دیوان غالب کے میرے (احمدی) ایڈیشن میں بہت اظاظ طباعت تھیں۔ غالب نے اس کی ایک کاپی کو درست کیا اور اسی سے چوتھا (نظامی) ایڈیشن چھاپا گیا۔ غالب کی درست کردہ کاپی آصفیہ لاجپوری حیدرآباد میں موجود ہے۔ اس کے آخر میں غالب کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط موجود ہے جس میں تصدیق ہے کہ یہ نسخہ انھوں نے صحیح کیا ہے رشید حسن خان کو چونکہ اس نسخے میں غلطیاں باقی دکھائی دیں، اس لیے ان کا خیال ہے کہ یہ وہ نسخہ نہیں جو غالب نے صحیح کیا ہو گا۔ وہ قیاس کرتے ہیں کہ غالب نے صحیح کسی اور نسخے کی ہوگی اور بے خیالی یا سرغوشی میں یا کسی اور سبب سے رقعہ دوسری کاپی پر لکھ دیا۔ (”اردو تحقیق اور مالک رام“، ص ۱۵۸)۔ غالب کی تحریری دستخطی سند کو قیاس دے نہیں کر سکتا۔ اگر اس جلد میں اب بھی اظاظ باقی ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ غالب نے توجہ سے تصحیح نہیں کی یا شاید کاتب نے ان کی تمام اصلاحات کو نہیں دیکھا جس کی وجہ سے بعض اظاظ باقی رہ گئے۔ اگر اس میں بعض اصلاحیں پھسل

سے ہیں یا صرف بدستِ غیر ہیں تو صاف ہے کہ انھیں غالب کے بعد کسی اور شخص نے درج کیا ہے۔

ملک رام صاحب نے اس نسخے کا مقابلہ حیدر آباد جا کر نہیں کیا بلکہ نصیر الدین ہاشمی صاحب سے کرایا۔ یہ ضرور کوتاہی ہے۔ ہاشمی کو تھیل کا کام سونپا جاسکتا تھا کہ وہ بھی محکومات کے ماہر تھے، لیکن بد قسمتی سے وہ غالبیت کے ماہر نہیں تھے۔ وہ شاعرت نہیں کر سکتے تھے کہ کون سی اصلاحیں بدستِ غالب ہیں اور کون سی بدستِ غیر۔ ملک رام صاحب خود جا کر دیکھتے تو ان کے فیصلے زیادہ باوثوق ہوتے۔

۲۔ صدی ایڈیشن میں اختلاف نسخ نہیں دیے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نسخے کو عام شائقینِ غالب کے لیے حیدر کیا گیا، محققینِ غالبیت کے لیے نہیں۔ آزاد کتاب گھر والے ایڈیشن میں بعض ضمیمہ ضروری اختلافات نسخ دیے ہیں۔ ”صدی ایڈیشن“ میں ملک رام نے کہیں نہیں نسخہ نکلائی سے انحراف کیا ہے۔ جس اس کی وجہ نہیں بیان کر سکتا شاید آصفیہ لائبریری کی کاپی میں ایسا ہو۔ جب تک اسے خود نہ دیکھ لوں، نہ ملک رام صاحب کے متن پر اعتراض کر سکتا ہوں بد رشید حسن خان کے اعتراض کی تردید۔ رشید حسن خان ”صدی ایڈیشن“ کے علاوہ آزاد کتاب گھر کے دواخان کو بھی سامنے رکھ لیجے تو نکلائی ایڈیشن سے بعض انحرافات کی وجہ کچھ میں آسکتی تھی۔ یہ یقینی ہے کہ غالب کی زندگی کے پانچوں ایڈیشنوں میں نکلائی ایڈیشن، باوجود غلطی کے، سب سے زیادہ معتبر ہے۔

یہ واضح رہے کہ ملک رام نے دواخان غالب مرتب کرنے کے لیے نسخہ عرشی کی طرح غیر معمولی کوشش نہیں کی۔ انھوں نے دواخان غالب کا کوئی محکومہ سامنے نہیں رکھا آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے معتبر مطبوعات ہی پر انحصار کیا ہے، اس لیے انھیں اپنے تہذیب میں جہاں نکلائی ایڈیشن سے اختلاف دکھائی دیا اور دوسرے متن کو نکلائی کے متن پر ترجیح دینے کی وجہ تھیں، وہیں انھوں نے ترجیح دی ورنہ جیسے سب صورتوں میں نکلائی کے متن کو ترجیح دیکھا، مثلاً

صدی ایڈیشن میں ع. غم گیتی سے مرا سید امر کی ذہیل (ص ۲۰۰) میں "امر" کی کوئی صراحت نہیں لیکن آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن میں ہے۔ چونکہ مالک رام کو نسخہ نگاری سے زیادہ مشہور کسی مطبوعہ نسخے میں عز نہیں ملا ۱۰ اس لیے انھوں نے "امر" کو برقرار رکھا جو ظاہر اصلیت کی پکلی عین بھی ہے۔

ع. میرے ایہام پہ ہوتی ہے تصدق توضیح (صدی ایڈیشن ص ۲۰۰ اور آزاد کتاب گھر ایڈیشن ص ۲۰۰) میں ظہار کے برخلاف "ایہام" کو "ایہام" چھاپنے کی وجہ یہ ہے کہ انتخاب غالب میں "ایہام" ہے۔ مالک رام صاحب نے اپنے ایڈیشنوں میں ظہار ایڈیشن سے جہاں جہاں اختلاف روا رکھا ہے ۱۰ میں ان سب کی توجیہ تو نہیں کر سکتا ہوں ۱۰ آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن کے اختلاف نسخے سے کہیں کہیں وجہ معلوم ہو جاتی ہے۔

۲۔ رشید حسن خان نے مطالبہ کیا ہے کہ دیوان غالب میں غالب کے املا کی پابندی کی جائے۔ مجھے اس اصول سے شدید اختلاف ہے۔ میں نے نسخہ حرشی پر مضمون لکھتے ہوئے یہ اصول پیش کیا تھا کہ ترمیم قرن میں فرسودہ املا کو جدید املا میں بدل دینا چاہیے ۱۰ سوا ان صورتوں کے جہاں فرسودہ املا غلط کے اختلاف کو ظاہر کرتا ہے۔ (۱۰) اگر غالب کے املا کو مقدس مانا جائے تو کیا پائے معروف و مجہول میں فرق نہ کیا جائے ۲۔ طبعی و ہائے غلط میں اتباس کیا جائے؟ مثلاً: "مرقب غالب" مرتبہ پر تھوڑے چند سے چند مثالیں لیجیے۔ قوسین میں جدید املا دیا تاکہ ہماری تصحیح چہرہ سکے۔ مرقب نے غلط کے عکس پر صفات کے نمبر نہیں دیے ۱۰ میں نے ڈال دیے ہیں تاکہ حوالہ دیا جاسکے۔

نگہوں (۱۰) ص ۲۰۰ میں (ص) ص ۲۰۰ غشتوی (خوشنوی) ص ۲۰۰ بیتوں (۱۰) ص ۲۰۰۔ بالفضل (بالفضل) ص ۲۰۰ پیکر (پیکر) ص ۲۰۰ ہی (ہے) ص ۲۰۰۔ اگر غالب کے املا کی پابندی کی جائے تو دوسرے قدیم معنیوں کی جو تحریریں ان کے ہاتھ کی ملتی ہوں ۱۰ ان کی بھی تقلید کی جائے ۱۰ اس طرح تمام موجودہ اشاعتیں قدیم

مخطوطات کی طرح ہو جائیں گی۔ ایک مضمون میں غالب کے شعر میں ”خرشید“ اور سر میں ”باللعل“ اور ”خشتودی“ لکھا جائے گا، کسی دوسرے شاعر کے شعر میں ”نورخید“ یا قدیم عبارت میں ”باللعل“، ”خشتودی“۔ کچھ کی غرض یہ ہے کہ غالب کا املا غالب کے زمانے کے لیے تھا۔ آج اس کی تقلید کرنا حال کو ماضی میں بند کرنا ہے۔ جہاں غالب نے ”خشبے“ لکھا ہے، وہاں ہم ”تخمے“ نہیں لکھ سکتے کہ اس سے فقط بدل جائے گا، لیکن اگر غالب ”خرشید“ کو صحیح املا قرار دیتے ہیں تو وہیں ہم اگر دوسری تحریروں میں رائج الوقت املا ”نورخید“ لکھتے ہیں تو وہاں غالب کی اشاعت میں بھی ”نورخید“ لکھنا چاہیے۔

رہید حسن خان نے واضح کیا کہ عربی لفظ ”جیب“ بمعنی گریبان مذکر ہے۔ غالب کے اشعار میں یہ لفظ گریبان ہی کے معنی میں آیا ہے، اس لیے اسے ذکر لکھنا چاہیے یعنی ہمارے جیب (۱۱)، لیکن جب رہید حسن خان یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جیب کو عربی کی تقلید میں بہ فتح اول جیب لکھا جائے تو میرے مذاق شعری کو دھچکا لگتا ہے۔ یہ ایسا ہی مطالبہ ہے جیسا ”سوال“ کو ’س‘ کے خٹے سے سوال، ”ہلکم“ کو ’ک‘ کے خٹے سے ہلکم اور ”موسم“ کو ’س‘ کے کسرے سے موسم بولنے کا ہو۔ اردو میں جیب لکھنا اور بولنا بالکل مولودہ لفظ ہو گا، شاعرانہ نہیں۔ واضح ہو کہ مالک رام نے بھی ”گل رعنا“ (۱۲) میں اس شعر میں ”ہمارے جیب“ ہی لکھا ہے (۱۱) لیکن یہ شاید رہید حسن خان کے اعتراض کو دیکھنے کے بعد کیا ہو۔

۵۔ اشعار کی خیر موزونیت۔

الف۔ غالب کے ان اشعار میں جہاں ”ایک“ موزون فتح آیا ہے، مالک رام کے ایڈیشنوں میں بیش تر ”اک“ لکھا ہے لیکن کہیں ”ایک“۔ وزن کا ٹھکانا بھی ”اک“ لکھنے کا ہے اور ایسے موقعوں پر غالب کا ترجمان بھی یہی ہے (۱۱)، لیکن میں اپنی ذاتی رائے مرض کرتا ہوں کہ ”اک“ قراہا ہوا لکھ نہ ہوا ”جیسے مصرعوں میں عام قادی“ ”اک“ (ایسے بھول کی تحریف) نہیں بولنا بلکہ ایسے بھول کو مختصر کر کے بولنا ہے۔ ان موقعوں پر ”اک“ اور ”ایک“ دونوں میں سے کوئی بھی لفظ کی صحیح ترجمانی نہیں

کرے۔ "اک" لکھنے سے حرف طٹ کا طول صحت سے ظاہر ہوتا ہے لیکن اس کی صوتیاتی نوعیت بدل جاتی ہے۔ "ایک" لکھنے سے حرف طٹ کی نوعیت صحیح رہتی ہے لیکن اس کا طول بدل جاتا ہے۔ پھر بھی ہم "ایک" لکھا ہونے کی بنا پر ایسے مصرعوں کو غیر موزوں نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اردو شعر میں یہ عام رواج ہے کہ طویل حرف طٹ لکھا جاتا ہے لیکن وزن کی خاطر موزوں طبع کا ہی اسے مختصر کر کے پڑھا ہے۔ مطلقاً غالب کے یہ مصرعے۔

ہے نو آموزِ فنا بہت دشوار پسند
 بہ عشق از دو جاں بے نیاز باید بود
 چو لب و ہرزه نوایں شوق تتواں شد
 کاش کل بہت کاشی در پذیردوم غالب
 بندہ توام گویم، گویدم زندہ آری
 اک بات ہے اعجازِ سبھا مرے آگے

نو، دو جاں، چو لب، توام، مرے میں "و" اور "ے" مختصر ہیں، لیکن انہیں طویل لکھنے کی بنا پر کوئی شعر کو غیر موزوں یا کما بہت کو خط نہیں کھتا۔ کہا جا سکتا ہے کہ لفظ کے آخر میں حرف طٹ کا دہانا عام ہے لیکن لفظ کے درمیان نہیں، لیکن بعض الفاظ میں درمیانی حرف طٹ بھی دہایا جاتا ہے۔ "دو رسد" کو ہم ایک مرکب لفظ کہیں گے۔ ریختی کا لفظ "دو گاما" بھی واحد ہے۔ اب ذیل کے اشعار دیکھیے،

دو رسد جو روشن چراغوں ہوئے
 چنگے خوشی سے منزلِ خواں ہوئے
 (شہزادہ مراد علی)

دو گاما، جان کے بچے نے مونا تجھ نمازی پر
 حیلانی تر ہوئی ساری، پڑا آدھا بدن دھونا
 (ابن صاحب)

ریختی کے اشعار میں "دو گاما" کے تلفظ میں ہمیشہ "و" دہائی جاتی ہے اور ہمیشہ

لکھی جاتی ہے، اسے کوئی غیر موزوں نہیں کہتا۔ ”دوکان“ میں دو کھڑ کر بھی ہم اسے ”دکان“ کہتے ہیں اور اکبر الہ آبادی کا یہ شعر دیکھیے،

فتح جی کے دونوں لڑکے ہارسز پیدا ہوئے

ایک ہیں خفیہ پولیس میں، ایک پھانسی پر چڑھے

لفظ ”پولیس“ میں دو لکھنے کے باوجود اس کا تلفظ ”پلس“ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح ”ایک“ لکھا جائے تو بھی ہر موزوں طبع قاری اس کے حرف علت کو سہرا، صافہ والے کسرے سے پڑھے گا جو مختصر یاے بحول کے مترادف ہے۔ بہر حال یہ میرا ذاتی معروضہ ہے۔ اگر غالب ”اک“ پسند کرتے ہیں تو چونکہ ”ایک“ (بے اختصار یا) کا تلفظ ”اک“ سے مختلف ہے، اس لیے ”اک“ ہی کو ترجیح دی جائے گی، لیکن ”ایک“ کے ساتھ بھی مصرع کو غیر موزوں نہیں کیا جاسکتا۔

ب۔ جن اشعار میں وزن کا تقاضا ”آہند“ (فارسی جامدے سے ”آہند“) لکھنے کا ہے، وہاں ”آہند“ لکھنا غلط ہے، اس سے شعر غیر موزوں ہو جاتا ہے۔ صدی انڈیشن میں یہ سو پایا ہوا ہے۔

ج۔ رشید حسن خان نے واضح کیا ہے کہ غالب ”یہاں، وہاں“ کے مقابلے میں ”یہاں، وہاں“ کو فصیح تر مانتے تھے اور اشعار میں یہی باندھا جاتا ہے، گو اس نکتے کے اطلاق کے مطابق ان الفاظ کو ہائے مخلوط کی جگہ ہائے ملفوظی سے ”یہاں، وہاں“ لکھتے ہیں، شعر کا وزن بھی ”یہاں، وہاں“ کا طالب ہوتا ہے۔ (۱) ملک رام صاحب نے ان موقعوں پر بعض اوقات ”یہاں، وہاں“ چھاپا ہے جو صحیح نہیں۔ فقید عرشی میں ان سب موقعوں پر ”یاں، واں“ لکھا ہے۔ وہاں بھی ”یہاں، وہاں“ ہوتا تو بہتر ہوتا، گو ”یاں، واں“ سے وزن تو درست رہتا ہے۔ واضح ہو کہ دہلی اور مغربی یوپی میں عام بول چال میں ”یہاں، وہاں“ ہی بولا جاتا ہے۔

د۔ اعتراض ہے کہ ”ت“ اور ”ط“ میں غلط سمجھ کیا ہے۔ ”طراز“ کو ہمیشہ ”ت“ سے لکھنا چاہیے کہ یہ فارسی لفظ ہے۔ (۲) میں نے فقید عرشی میں دیکھا۔ اتفاق سے وہاں بھی اعتراض کیے ہوئے چاندوں مصرعوں میں ملک رام والا املا ہے۔

شوق ہے سلاں ترازِ مازش اربابِ عجز صدی ایڈیشن، ص ۳۰ نسخہ عرشی، ص ۳۹
 اس رقم کو دیا طرازِ دوام صدی ایڈیشن، ص ۱۹۳ نسخہ عرشی، ص ۱۳۸
 پھر ہوا بدحت طرانی کا خیال صدی ایڈیشن، ۱۹۵۰ نسخہ عرشی، ص ۱۳۰
 ہے گرچہ مجھے عمر طرانی میں صدارت صدی ایڈیشن، ۲۰۶۰ نسخہ عرشی، ص ۱۲۷
 ۷۔ صدی ایڈیشن میں نسخہ نفاہی کی تقلید میں ایک مصرع میں ”جب“ اور دو
 مصرعوں میں ”چپ“ ہے۔ مطالبہ کیا ہے کہ کوئی ایک لانا چاہیے۔ (۱۱) یہ مطالبہ غالب
 سے کیا جاتا تو بستر تھا۔ اگر اس کے دیوان کے مستند نسخے میں دو غلط موجود ہیں اور
 معنوی اعتبار سے دونوں صحیح ہیں تو مرقب کو کیا حق ہے کہ ان میں تصحیف کر کے
 یکساں کر دے۔

۸۔ صدی ایڈیشن اور نسخہ نفاہی میں ہے:

افسوس کہ دیلاں کا کیا رزق فلک سے

(صدی ایڈیشن، ص ۱۱۱)

نسخہ عرشی (ص ۱۱۱) میں ”دنداں“ ہے اور عرشی صاحب نے نفاہی کے متن ”دیلاں“
 کو سہو کا جب قرار دیا ہے (ص ۱۲۲)۔ رشید حسن خان بھی اسے بہ اصرار سہو کا جب کہتے
 ہیں (۱۱) حالانکہ یہ ہرگز سہو نہیں۔ ”دیلاں“ جمع ہے ”لودہ“ کی بمعنی گیزا۔ معنی کے
 لحاظ سے ”دیلاں“ ”دنداں“ سے بستر تھا۔ آزاد کتاب گھر کے ایڈیشن کے اختلاف نسخ
 سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب غالب میں ”دنداں“ ہے۔ (۱۱) چونکہ یہ نفاہی کے بعد کا
 متن متش کرتا ہے، اس لیے اسے ترجیح دی جائے گی ورنہ جہاں تک معنی کا تعلق ہے
 صویداں ”ہی بستر تھا۔ چونکہ انجہی لفظ تھا، اس لیے غالب نے اسے بدل دیا ہو گا۔

ملک رام صاحب کا اصول ترمیم متن یہ ہے کہ ایک متن کے مختلف نسخوں میں
 ایک نسخے کو اساسی قرار دے کر اسے کتاب کے متن میں درج کیجیے، جیسے نسخوں کے متن
 کو اختلاف نسخ میں لاکھ بدارخا معلوم ہو جائے کہ اساسی نسخے کا متن ناقص ہے اور کسی
 دوسرے کا شکیک ہے۔ (۱۱)

میں اس اصول کا قائل نہیں، جیسا کہ میں نے اور مضمون میں لکھا ہے (۱۱)

دیوان غالب صدی ایڈیشن پر رشید حسن خان نے جو اعتراض کیے ہیں، ان کی ذمہ داری مالک رام صاحب کے اسی اصول کی ہے کہ انھوں نے نفاذی ایڈیشن کو اسی نسخہ مان لیا ہے اور چند مستحیات کے سوا اس تحریر کو من و عن نقل کر دیا ہے۔

• نسخہ نفاذی اور ۱۹۵۷ء کے ایڈیشن میں مصرع ہے،

ہے نو آہوز فنا بہت دھوا رہند

صدی ایڈیشن میں "فنا" کو "وفا" کر دیا ہے، اس کا باعث ہمیں معطوم نہیں،

دل پر دانہ چرائیں، پر بلبل گھبرا

(صدی ایڈیشن، ص ۱۸۵)

نسخہ نفاذی اور دوسرے ایڈیشنوں میں "گھبرا" کی جگہ "گل زار" ہے۔ رشید حسن خان حیران ہیں کہ یہ "گھبرا" کہاں سے لیا ہے۔ وہ آزاد کتاب گھر کا ایڈیشن (ص ۳۶) دیکھ لیتے تو معطوم ہو جاتا کہ یہ آصفیہ کی تصحیح شدہ کاپی کے مطابق ہے۔ اگر غالب نے "گل زار" کو بدل کر "گھبرا" کر دیا تھا تو کچھ میں نہیں آتا کہ نفاذی ایڈیشن میں "گل زار" کیونکر چھپا۔ ممکن ہے "گل زار" کی اصطلاح "گھبرا" غالب کے بعد کسی اور شخص نے کی ہو اور مالک رام نے اسے اصلی کچھ کر قبول کر لیا ہو۔

گھول کر پردہ، ذرا آنکھیں ہی دکھلا دے مجھے

(صدی ایڈیشن، ص ۱۸۱)

اعتراض ہے کہ غالب کا الفا "ذرا" تھا اس لیے "ذرا" غلط ہے۔ اس دعوے کی تائید میں نسخہ مرثی کے ص ۲۲۵ کے حاشیے کو پیش کیا ہے۔ (۱۸) اتفاق سے نسخہ مرثی ص ۲۲۵ پر "ذرا" کا لفظ نہیں آیا اور اس لیے اس سٹے کے حاشی میں بھی اس کا ذکر نہیں۔ متدرجہ بلا مصرع نسخہ مرثی کے ص ۲۲۵ پر ہے، لیکن اس کے حاشی میں یہ نہیں لکھا کہ غالب نے اس لفظ کی "قال" کو چھیل کر "ذرا" بنا دیا تھا۔ خدا معطوم یہ قول نسخہ مرثی کے کس سٹے پر ہے۔ وہاں صرف یہ لکھا ہے کہ دیوان غالب کے پہلے ایڈیشن کے علاوہ جیسے سب میں "ذرا" ہے۔ جب مالک رام صاحب نے نفاذی

ایڈیشن کو اساسی نمونہ قرار دیا ہے تو وہ اپنے اصول کے مطابق "ذرا" ہی لکھتے۔ جس تک میرا تعلق ہے، میں اگلے غالب پر موجودہ اٹاک کو ترجیح دیتا ہوں۔

زخم گر دب گیا ، لو نہ تھنبا

(صدی ایڈیشن، ص ۵۸)

رفیع حسن علان حیران ہیں کہ "تھنبا" غالب کی کس ٹھہر کی بنا پر لکھا ہو گا۔ (۱) اور اس کا تھنبا جھننے کے لیے آزاد کباب گھر کا ایڈیشن اور نسخہ عرشی (۱) دیکھ لیتے تو واضح ہو جاتا کہ متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخوں مثلاً نسخہ رام پور جدید، نظامی ایڈیشن وغیرہ میں "تھنبا" یا "تھنبا" ہی ہے، صرف "اردوئے معلیٰ" میں "تھنبا" ہے۔ ہاں، دوسرے مصرع "رو میں ہے رخش عمر، کہاں دیکھے تھے" پر ان کی حیرانی بجا ہے کہ "تھے" کہاں سے آگیا، کیونکہ نظامی ایڈیشن میں "تھکے" ہے اور نسخہ عرشی (ص ۴۴) کی مراحت کے مطابق دوسرے قلمی اور مطبوعہ نسخوں میں تھنبا یا تھنبا ہے۔ شاید تھنبا تھنبا اور تھے غالب کے اٹاک میں ارتقا ظاہر کرتے ہیں۔ چنانچہ ان کا لفظ مختلف ہے، اس لیے مرثب ان میں ترمیم کا بھار نہیں۔

سادگی و سہکاری، بے خودی و ہشیاری

(صدی ایڈیشن، ص ۵۸)

ایک عالم پہ ہیں طوفانی کیفیت فصل

(صدی ایڈیشن، ص ۵۸)

ہوئی یہ کثرت ظم سے تلف کیفیت شادی

(صدی ایڈیشن، ص ۵۸)

دل بدی و دیدہ بنا دعا طبع

(صدی ایڈیشن، ص ۵۸)

مطلبہ (۱) ہے کہ سادگی، بے خودی، بدی اور کیفیت کی "ی" پر تشدید کا نشان چاہیے۔ نسخہ عرشی میں صورت یہ ہے کہ سادگی، بے خودی، بدی اور کیفیت فصل کی "ی" پر تشدید نہیں لیکن "کیفیت شادی" میں "کیفیت" پر تشدید ہے۔

رشید حسن خان کا خیال ہے کہ ان الفاظ میں تشدید کے بغیر فقط غلط ہو سکتا ہے عربی فارسی سے قطع نظر میں اردو کے الفا کی حد تک پُر زور اپیل کروں گا کہ ان الفاظ پر تشدید ہرگز نہ لگائیے کہ اس سے فقط مسخ ہو جائے گا۔ تشدید اور دہرے حرف میں فرق ہے۔ ”بتا، چٹی“ مختلف ہیں اور ”بٹا، چٹنی“ ان سے مختلف۔ میں صوحیات کی اصطلاح میں بات کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔

تشدید کو ادا کرنے کے لیے زبان اس آواز کے مخرج پر معمول سے زیادہ عرصے تک ٹھہری رہتی ہے۔ دہری آواز ادا کرنے کے لیے اعضاء نقل اس آواز کے مخرج پر ایک بار آتے ہیں، پھر معمول کی حالت پر لوٹ جاتے ہیں اور پھر دوبارہ اس آواز کے مخرج پر جا پہنچتے ہیں۔ مندرجہ بالا مصرعوں میں ”ی“ یا ”و“ کی دونوں آوازیں مختلف ہیں۔ پہلی بار یہ مصوٰتے (حرف علت) کی شکل میں ہوتی جاتی ہیں اور اس کے بعد مصوٰتے (حرف صحیح) کے روپ میں۔ اس طرح ہم ”ی“ یا ”و“ کو مشدود نہیں بولتے بلکہ دو بار بولتے ہیں۔ ہندی میں کھڑ کر دیکھ لیجیے، بات واضح ہو جائے گی۔ صوحیات سے قطع نظر اردو میں مشدود ”ی“ پر تشدید کا نشان لگائیں تو اس کا فقط ”کے فی بیت“ نہ رہ کر ”کے فیت“ (میت اور میر کی طرح) ہو جائے گا۔ اسی طرح سادگی و نہ کاری میں سادگی کی ”ی“ پر تشدید لگانے سے سادگیو (سسی و سفارش کی ”ی“ و ”کی طرح) پڑھا جائے گا۔ میر عباس شوستری کا مشہور شعر ہے،

ایں کلام صوفیان شوم نیست

شغوی مولوی دوم نیست

دوسرے مصرع میں ”شغوی“ اور ”مولوی“ کی ”ی“ میں اضافت کے بعد وہی صورت بن جاتی ہے جو ”سادگی و نہ کاری“ میں واو عطف سے پہلے کی ”ی“ ہے۔ اگر بصورت اضافت یا سے معروف پر تشدید کا نشان نہیں لگایا جا سکتا تو بصورت عطف کیوں ضروری ہو، اس لیے عربی و فارسی روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے میں التماس کروں گا کہ مندرجہ بالا مصرعوں میں تشدید لگا کر الفا کو غلط فقط کا حامل نہ بنائیے۔

رہید حسن خان نے یہ تجربہ غیر معمولی طور پر بلا احتیاج مطالعے کے بعد لکھا ہے۔ ان کے بیش تر مشاہدات سے اتفاق کیا جائے گا۔ دیوان غالب صدی ایڈیشن کے جن مندرجات پر انھیں اعتراض ہے، ان کی سب سے بڑی وجہ ملک رام کا یہ اصول ہے کہ اسی نسخے کا متن جیوں کا تیوں لکھ دینا چاہیے اور دوسرے نسخوں کے متن کو اختلاف نسخ میں دینا چاہیے۔ ڈاکٹر نذیر احمد، راقم الحروف، اور رہید حسن خان (۱۹۷۱) بہترین متن کے انتخاب کے حامل ہیں۔

دیوان غالب میں تسامات کی دوسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ ملک رام کا مطلع نظر غیر معمولی کاوش کے بعد ایسا محققانہ متن تیار کرنا نہ ہو گا جیسا نسخہ مرثی کی تیاری میں روا رکھا گیا۔ میرا خیال ہے کہ صدی ایڈیشن عام قارئین کے لیے چھاپا گیا ہے، اسی لیے انھیں اختلافات نسخ کی تفصیلات سے منفعض نہیں کیا گیا۔

خطوطِ غالب

اس کتاب کی پہلی جلد ہندوستانی اکیڈمی آف لٹریچر میں شائع ہوئی۔ اس کے سرورق کے اندر لکھا تھا:

خطوطِ غالب

مرزا اسد اللہ خاں غالب کے خط، مرقعے وغیرہ

مہیش پرشاد

نے مختلف محضوں سے جمع کر کے ترتیب دیے

عبدالستار صدیقی

نے نظر ثانی کی

پہلی جلد

اس کی ابتدا میں ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا ۱۵ مارچ ۱۹۳۱ء کا مقدمہ ہے اور اس کے بعد غنی میٹس پر شاہ کا جنوری ۱۹۳۱ء کا دہاجہ۔ آگے خطوں کا متن ہے اور آخر میں دو صفحوں کا غلط نامہ۔ اپنے مقدمے میں ڈاکٹر صدیقی نے صراحت کر دی ہے کہ خطوں کی جانچ اور ترمیم میٹس پر شاہ نے کی ہے۔ صدیقی صاحب نے صرف یہ کیا۔

متن کی نظر ثانی کرتے وقت جہاں کہیں کوئی صوبائی خطی سامنے آگئی ضروری رد و بدل کر دی۔ جہاں ضرورت دیکھی ۱۰ اپنی سرف سے چاہیے لکھ دیا۔ ایسے

چاہیے کے آخر میں ’صحیح‘ کا لفظ لکھ دیا ہے یا اپنے نام کے سر حرف ’‘ (۱۹۳۱ء)

ڈاکٹر صدیقی نے اس پر ظاہر کی تھی کہ دوسری جلد اسی سال ۱۹۳۱ء میں چھپ جائے گی لیکن وہ آج تک نہیں چھپی۔ غنی میٹس پر شاہ کا انتہائی اگست ۱۹۵۱ء میں ہوا تھا۔ غنی جی کے جملہ کاغذات ہندوستانی اکیڈمی نے خرید لیے جن میں ان کی مرتبہ دوسری جلد کا مسودہ بھی تھا۔ ہندوستانی اکیڈمی انجمن کے حق میں دست بردار ہو گئی۔ انجمن نے ان کی ترمیم نو کا کام ملک رام کے سپرد کیا۔ چنانچہ جلد اول ۱۹۴۴ء میں شائع ہوئی چونکہ سرور صاحب کے تعارف پر ۲۰ مارچ ۱۹۴۳ء درج ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ کتاب ۱۹۴۳ء میں نہیں ۱۰ دراصل ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔ تعارف کے بعد میٹس پر شاہ کے ۱۹۳۱ء کے ایڈیشن کا دہاجہ دے دیا گیا۔

رسالہ ’’تحریک‘‘ جنوری ۱۹۴۹ء اور دسمبر ۱۹۵۰ء تا مارچ ۱۹۵۵ء کے شماروں میں اس ایڈیشن پر مختلف اعتراضات شائع ہوئے ہیں جن میں بنیادی اعتراض یہ تھا کہ ملک رام صاحب نے مرتب کی حیثیت سے میٹس پر شاہ کا نام کیوں لٹا دیا ہے۔ بلاواقفیت کی وجہ سے میں نے بھی ایک یا دو خط لکھ دیے تھے۔ مجھے اس وقت پورے حقائق معلوم نہ تھے۔ ’’ہماری زبان‘‘ میں ملک رام صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس میں انھوں نے شکوہ کیا۔

’’میرا خیال تھا کہ اگر کوئی صاحب قزوینی سی تحقیق یا تجسس سے کام

لیں گے تو وہ آسانی سے یہ اختلاف معلوم کر لیں گے، لیکن انہوں نے ایسا

نہیں ہوا۔ ہم میں سے بیش تر لوگ خود غور و فکر نہیں کرتے، دوسروں کے کہنے پر آمنا و صدقا کہنے ہی میں عافیت دیکھتے ہیں۔

بالکل صحیح کہا ہے۔ زیرِ نظر مضمون لکھنے وقت میں نے سوچا کہ کہیں سے صبیٹ پر شاہ کی کتاب حاصل کر کے دونوں کا تقابلی مطالعہ کروں اور بطورِ خود معلوم کروں کہ مالک رام صاحب نے کچھ اضافہ کیا ہے کہ نہیں۔ چونکہ خطوطِ غالب کے سلسلے میں مجھے مالک رام صاحب نے کبھی کچھ نہیں لکھا، نہ ان سے اس موضوع پر بات ہوئی، اس لیے اس تحریر کے وقت بھی میں نے سوچا کہ انھیں طوط کیے بغیر از خود حقیقت کی دریافت کروں گا۔ اس کے لیے صبیٹ پر شاہ کی مرتبہ "خطوطِ غالب" کی ضرورت تھی۔

اللہ آباد یونیورسٹی لائبریری میں اس کی کاپی نہ ملے۔ یہ کتاب ہندوستانی اکیڈمی اللہ آباد سے شائع ہوئی تھی۔ اُس وقت میں اس کے دو نائب صدور میں سے ایک تھا۔ میں نے اکیڈمی سے اس کی ایک کاپی لینے کو آدمی بھیجا۔ اہل دفتر اور سیکرٹری نے رجسٹر وغیرہ دے کر قطعیت سے کہا کہ ہندوستانی اکیڈمی سے ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی، لیکن اکیڈمی نے اپنی شائع شدہ ہندی کتاب "غالب کے ہز" دو جلدیں بھیج دیں۔

ہندی کتاب کی جلد اول (۱۹۵۸ء) کے مرتبہ تنہا ڈاکٹر شری رام شرما ہیں۔ پہلی جلد کے دواپے میں لکھا ہے کہ اس میں اکیڈمی کی شائع شدہ اردو کتاب "خطوطِ غالب" مرتبہ صبیٹ پر شاہ کا متن پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے پھر سیکرٹری سے فریاد کی۔ پھر تلاش کی گئی اور کسی گوشے سے صبیٹ پر شاہ کی ایک جلد برآمد کر کے مجھے بھیجی گئی۔ ہندی کتاب کی دوسری جلد میں مرتبہ کے التماس (مداہجہ) کا چلا جلد ہے،

"مرزا اسد اللہ خان غالب، ۱۰۳۵ء کے اس پاس ہندی میں پتر لکھنے لگے۔"

اس "ہندی" کے دعوے پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔ معلوم ہوا، "اردو سے معنی" اور "محبوب ہندی" ہندی کتابوں کے نام ہیں۔ مرتبہ دلی حیدر آباد کے ڈاکٹر شری رام شرما ہیں جو دکنی اردو کو دکنی ہندی کہنے میں بیش بیش ہیں۔ جلد دوم میں انھوں نے ظلام رسول صرکی دونوں جلدوں، مز "مداہجہ" غالب "مرتبہ آفاق حسین کراچی" سے فائدہ اٹھایا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس وقت تک اردو کے کسی ایڈیشن پر،

غالب کے اس خطوط نہیں جتنے ہندی کی ان جلدوں میں ہیں۔ صیش پر شاہ جلد خطوط کا احاطہ کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی جلدِ تول میں مکاتیب غالب (عرشی) سے نواب یوسف علی خاں اور صاحب زادہ ذہین العابدین خاں کلن کے خطوط تولے لیے لیکن نواب کلب علی خاں اور دوسروں کے خطوط جلد دوم میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہو گا اور وہ حنفیہ عام پر آئی ہی نہیں۔ مالک رام صاحب نے صیش پر شاہ کی جلدِ تول کو مہلورات غالب کے خطوط، بنام غشی نبی، بخش حقیر، کے اضافے کے ساتھ چھاپا۔ غلام رسول ص ۱۶۱ نے اپنی کتاب میں ”مکاتیب غالب“ مرتبہ عرشی، ۱۰ جز مہلورات غالب ”مرتبہ آفاق کے خطوط کو چھوڑ کر بھیہ سب خطوط لے لیے۔ اس طرح شری رام شریا کی کتاب میں نواب یوسف علی خاں، منیر حقیر کے نام کے خطوط بھی شامل ہیں۔ اس وقت تک کے اردو کے کسی مجموعے میں اس خطوط نہیں۔

میں نے ”خطوط غالب“ نسخہ صیش پر شاہ اور ”خطوط غالب“ نسخہ مالک رام کا بالاستیعاب تقابلی مطالعہ کیا ہے۔ میں نے خطوں کی جگہ بھنوں اور حاشیوں (فٹ نوٹ) کو خاص طور سے دیکھا ہے۔ واضح ہو کہ فٹ نوٹ کے حاشی زیادہ تر اختلاف نسخہ پیش کرتے ہیں۔ میں اپنے تقابلی کو مختلف جنوابعات کے تحت درج کرتا ہوں۔

۱۔ مکتوب الیہ کا اقتساب

مالک رام صاحب نے اپنے مضمون میں لکھا ہے:

”مطبوعہ نسخے میں بعض خطوط غلط نام سے چھپ گئے تھے۔ انھیں اصلی

مکتوب کے نام کے خطوں میں ڈال دیا۔“

(”مکتوب الیہ“ ص ۱۰۰، تاریخ ۱۸۷۵ء، ص ۱۶)

مجھے اس قسم کی صرف ایک مثال ملی۔ نسخہ صیش میں ص ۷۵ پر خط نمبر ۵۸ ہرگوپال نقض کے نام دکھایا ہے۔ غلام رسول نے مر نے طے کیا کہ یہ دراصل مرزا داتم علی بیگ مر کے نام ہے۔ (۱۰ مالک رام صاحب کا بھی یہی فیصلہ ہے، چنانچہ ان کے ایڈیشن میں یہ مر کے نام خط نمبر ۱۰ ص ۳۵۵ پر ہے۔ نسخہ مالک رام میں مر

کے نام کے خط نمبر ۳۰۲ اور ہیوزرائی آرام کے نام کے خط نمبر ۱۰۱۰ کو چھیے تو یقین ہو جاتا ہے کہ زیر بحث خط کا تعلق سری سے ہے۔

۲۔ خطوط میں اضافے

نسخہ ہلک میں خطوں کی جملہ تعداد ۵۵۸ ہے۔ ہلک رام صاحب نے لکھا ہے کہ ہمیشہ پر شاہ کے ایڈیشن میں جملہ خطوط ۳۵۳ ہیں (مہا چٹانچہ اس کتب میں آخری خط پر نمبر شاہ ۳۵۳ پڑا ہے۔ لیکن چونکہ مجموعہ کے نام کے خط نمبر ۳۵ پر مجموعی شمار کا نمبر ۳۵۱ اور نمبر ۵ پر ۳۵۶ پڑا ہے، اس لیے نسخہ ہمیشہ میں خطوں کی جملہ تعداد دراصل ۳۵۴ ہے۔

ہمیشہ پر شاہ اور ہلک رام کی درمیانی منزل غلام رسول سر کا نسخہ ہے۔ گو نسخہ ہلک رام نسخہ ہمیشہ پر شاہ ہی کی اصلاح شدہ شکل ہے، لیکن اول الذکر میں نسخہ غلام رسول سر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ نسخہ سر میں ”مکتبہ غالب“ مرتبہ عرشی اور ”مدارات غالب“ مرتبہ آفاق حسین کو چھوڑ کر جیہ سب خطوط، جن تک سر کی رسائی تھی، لے لیے گئے ہیں۔ ذیل میں اول جینوں نسخوں میں خطوط کی تعداد کا ایک چارٹ دیا جاتا ہے۔ نسخہ سر سے صرف وہ مکتوب الیہ لے گئے ہیں جو جیہ دونوں نسخوں میں ہیں۔

مکتوب الیہ	نسخہ ہمیشہ پر شاہ	نسخہ غلام رسول سر	نسخہ ہلک رام
۱۔ برگوپال ترقیہ	۳۳	۳۲	۳۲
۲۔ نبی بخش حشر	-	۲	۴۰
۳۔ جوہر سنگھ جوہر	۳	۳	۳
۴۔ عبداللطیف	-	۱	۲
۵۔ بدرالدین فقیر	۵	۵	۵
۶۔ عبدالمیل جتوں	۳۰	۳۰	۳۰
۷۔ الوار اللہ شفق	۲۱	۲۱	۲۱

۴	۴	۴	۸۔ یوسف مرزا
۳	۳	۳	۹۔ یوسف علی خاں مز
۲	۲	۲	۱۰۔ احمد حسین میکش
۳۷	۳۷	۳۷	۱۱۔ محمد یوسف علی خاں ناظم
۲۳	۲۳	۲۳	۱۲۔ غلام حسنین قدر بلکراہی
۲۳	۲۳	۲۳	۱۳۔ غلام نجف خاں
۵۰	۵۰	۵۰	۱۴۔ ممدی حسین مجروح
۱۰	۹	۹	۱۵۔ شہب الدین مہتاب
۱۹	۲۰	۱۸	۱۶۔ حاتم علی بیگ مر
۲	۳	۲	۱۷۔ ذہین الطاہرین خاں کھن
۵۸	۵۶	۵۶	۱۸۔ علامہ الدین احمد خاں عطائی
۱	۱	۱	۱۹۔ ۹
۳۵	۳۴	۳۴	۲۰۔ شیو مرزائی کرام
۱	۱	۱	۲۱۔ ۹

۳۸ ۴۱۷ ۴۵۴

میزان

میزان میں دی ہوئی یہ تعداد دوسرے گم راہ کن ہے۔ پہلے میرے ذیل کے مشاہدات

ملاحظہ ہوں،

نسخہ مالک میں نقشہ کے نام جو خط نمبر ۳۱ ص ۲۳ پر ہے، صیش پر خط اور۔
 غلام رسول مہر نے اس کے دوسرے پر اگر ارف کر ایک خط کے طور پر درج کیا ہے،
 یعنی نسخہ مالک کا نمبر ۳۱ نسخہ صیش کا نمبر ۹۰۶۸ اور نسخہ سر میں نمبر ۹۰۶۸ ہے۔
 نسخہ صیش کے حاشیے سے معلوم ہوتا ہے کہ "اردوئے معلیٰ" کی پہلی اور دوسری
 اشاعتوں میں ان دونوں اجزا کو ایک رقعہ مانا گیا ہے اور بعد کی اشاعتوں میں دو رقعے
 مالک رام صاحب نے اپنے ایڈیشن کے حاشیے میں واضح کیا کہ بعد کی اشاعتوں کی بنا پر

انھیں دو رقعے مانا صحیح نہیں۔ اس طرح دراصل نسخہ مصیث میں قند کے نام ۳۳ اور نسخہ سر میں ۳۱ خطوط ہیں۔

قند کے نام کے خطوط کو لے کر نسخہ مصیث اور نسخہ سر کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ نسخہ سر میں قند کے نام وہ مشہور خط نہیں جو اس شعر سے شروع ہوتا ہے۔

رکعب غالب مجھے اس غزلوائی میں معاف

آج کچھ درد مرے دل میں ہوا ہوتا ہے

یہ شعر نسخہ مصیث میں نمبر ۱۰۴۰ ص ۲۷ پر ہے اور نسخہ مالک میں نمبر ۳۰ ص ۳۲ پر اس خط کے علاوہ سر اور مالک رام نے قند کے نام ایک خط کو حاتم علی بیگ سر سے منسوب کیا۔ یہ خط نسخہ مصیث میں قند کے نام نمبر ۱۰۸۵ ص ۵۷ پر ہے جبکہ غلام رسول سر کے یہاں مرثا حاتم علی بیگ سر کے نام نمبر ۱۰۳ ص ۳۱ پر اور نسخہ مالک میں سر کے نام نمبر ۱۰ ص ۳۵۵ پر ہے۔ اس طرح نسخہ مصیث سے نسخہ سر میں قند کے نام دو خطوں کی کمی کی تاویل ہو گئی۔ نسخہ سر اور نسخہ مالک دونوں میں قند کے نام ظاہراً ۳۳ خطوط ہیں، لیکن چونکہ نسخہ سر میں نسخہ مالک کے ایک خط سے نمبر ۳۳ اور نمبر ۷۷ دو خطوط بنائے ہیں، اس لیے نسخہ سر میں نسخہ مالک سے ایک خط کم ہوا اور یہ خط وہی ہے جو ”رکعب غالب — ارغ“ سے شروع ہوتا ہے۔

نسخہ مصیث میں قند کے نام ۳۳ خط ہیں۔ ہم نے طے کیا ہے کہ اس کے دو خطوں کے نسخہ مالک میں ایک ہونے کی وجہ سے نسخہ مصیث میں قند کے نام دراصل ۳۵ خط ہیں۔ ان میں سے ایک خط وہ ہے جسے غلام رسول سر اور مالک رام نے قند سے حاتم علی بیگ سر کو منتقل کر دیا۔

مالک رام نے ”نادر جہاں غالب“ سے حقیر کے نام کے جملہ ۷ خطوط لے لیے۔ ان میں کا آخری یعنی نمبر ۷ نسخہ سر کا پہلا خط ہے، لیکن نسخہ سر کا خط نمبر ۲ بہم حقیر موزع ۷ جنوری ۱۸۵۵ء ص ۳۳ نسخہ مالک سے غیر حاضر ہے۔

نسخہ مصیث میں عبداللطیف کے نام کا کوئی خط نہیں۔ نسخہ سر میں ایک خط کا

احفاظ ہوا جو نسخہ بانک میں مں من پر عبداللطیف کے نام دو سرا خط (مجموعی شمار نمبر ۱۹۷) ہے۔ نسخہ بانک میں عبداللطیف کے نام کا پہلا خط (مجموعی شمار نمبر ۱۹۸) بانک نام کا احفاظ ہے۔

نواب یوسف علی خاں عالم کے ۳۷ اور صاحب زادہ زمین العابدین خاں عرف کن میں کے نام کے دو خطوط نسخہ مسیش میں "مکتبہ غالب" عرشی سے اور نسخہ بانک میں نسخہ مسیش سے لیے گئے۔ غلام رسول مرنے یہ خط نہیں لیے۔ نسخہ بانک کا مجموعی شمار کا خط نمبر ۳۰۸ یعنی شہاب الدین ثاقب کے نام کا خط نمبر ۳۳۱ سے نسخہ مسیش میں ہے ۱۰ نسخہ غلام رسول مرنے۔

نسخہ مسیش میں حاتم علی بیگ مرنے کے نام ۱۸ خط اور نسخہ بانک میں ۱۹ خطوط ہیں نسخہ بانک اور نسخہ غلام رسول مرنے ایک مزید خط وہ ہے جو نقد کے نام سے ختم کیا گیا یہ خط نسخہ مسیش میں نقد کے نام نمبر ۵۸ ہے، نسخہ غلام رسول مرنے مرنے کے نام نمبر ۳۰ اور نسخہ بانک میں حاتم علی بیگ مرنے کے نام نمبر ۱۱ ہے۔ نسخہ غلام رسول مرنے مرزا حاتم علی بیگ مرنے کے نام ایک مزید خط ہے جو ان کے نسخے میں مں ۲۱۷ پر نمبر ۱۰ مؤرخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۵۸ء ہے اور جو اس جملے سے شروع ہوتا ہے،

"شفیق یا تحقیق مولانا مرزۃ بے مقدار کا سلام قبول کریں۔"

معلوم نہیں، کیونکہ یہ نسخہ بانک میں شامل نہیں ہوا۔

نسخہ بانک میں غلام الدین طائی کے نام دو خط نمبر ۳ اور نمبر ۵۳ نیز فیروز خان آرام کے نام خط نمبر ۱۸ لیے ہیں جو نسخہ غلام رسول مرنے میں ۱۰ نسخہ مسیش میں۔ نسخہ غلام رسول مرنے مں ۲۳۵ پر آرام کے نام خط نمبر ۳۰ کے بعد نمبر ۱۱ ہے، نمبر ۵۱ سوا نائب ہو گیا ہے۔ اس طرح گو نسخہ مرنے آخری خط پر نمبر ۳۵ پڑا ہے لیکن اس میں دراصل آرام کے نام ۳۳ خط ہیں۔

نسخہ مسیش و نسخہ بانک میں دو مجموعی الاسم مکتوب ایسوں کے نام دو خط ہیں جو نسخہ بانک میں مجموعی نمبر ۳۴۴ اور ۵۲۸ ہیں۔ ان دونوں پر مکہ نہیں پڑی ہیں۔ نسخہ مرنے میں اس طرح کے دو اور خطوط ہیں جن کا مکتوب الیہ معلوم نہیں۔ ان پر کوئی تاریخ

نہیں پڑی۔ شاید ملک رام نے انہیں اپنی جلد دوم میں شامل کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ چونکہ نسخہ مسیحی پر شاہ میں قند کے نام کے دو خطوط دراصل ایک خط کے جتنے ہیں، اسی لیے ہم نے طے کیا کہ اس میں جلد دوم نہیں ۴۵۳۰ خطوط ہیں۔ یہ نسخہ ملک کے ۵۳۸ خطوں سے جلد دوم کم ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

نسخہ ملک کا صفحہ مکتوب الیہ مکتوب الیہ کے خطوں کا نمبر شمار مجموعی نمبر شمار تعداد			
۱۹۷۷۱۱۱	نبی بخش حقیر	۷۷۱	۱۹۷۷۱۱۱
۱۷۳۷۱۵۳	عبداللطیف	۲۷۱	۱۷۳۷۱۵۳
۳۳۱	شہاب الدین احمد خاں ماقب	۶	۳۰۸
۳۷۹	علامہ الدین احمد خاں طائی	۳	۳۷۵
۳۱۳	علامہ الدین احمد خاں طائی	۵۳	۳۸۶
۳۲۵	شیخ نرائن آرام	۱۸	۵۱۰

کل ۷۱

نسخہ ملک کے ذیل کے خطوط نسخہ سر میں نہیں:

نسخہ ملک کا صفحہ مکتوب الیہ مکتوب الیہ کا نمبر شمار مجموعی نمبر شمار تعداد			
۳۳	ہر گوپال قند	۳۰	۳۰
۱۹۷۷۱۱۱	نبی بخش حقیر	۷۷۱	۱۹۷۷۱۱۱
۱۵۳	عبداللطیف	۱	۱۵۳
۲۵۳۷۱۳۷	یوسف علی خاں عالم	۳۷۱	۲۰۷۷۱۳۷
۳۳۱	شہاب الدین احمد خاں ماقب	۶	۳۰۸
۳۳۷۷۱۳۷	زین العابدین احمد خاں مکن	۲۷۱	۳۳۷۷۱۳۷
۳۳۷۰۹۵۳	علامہ الدین احمد خاں طائی	۵۳۰۳	۳۸۶۰۳۳۵
۳۲۵	شیخ نرائن آرام	۱۸	۵۱۰

کل ۱۱۳

مندرجہ بالا مکتوب الیم کے ہم کے خطوط میں سے ذیل کے دو خط نسخہ ظام رسول سر میں ہیں لیکن نسخہ مالک میں نہیں۔

نسخہ سر کا اصل	مکتوب الیم	مکتوب الیم کا نمبر شمار	تعداد
۲۳	نبی بخش حقیر	۲	۱
۲۴	مرزا حاتم علی بیگ سر	۹	۱
			کل ۲

نسخہ مالک میں یہ دو خط شاید سووا شامل ہونے سے رہ گئے ہیں۔ چونکہ صیش پر شاہ کے ایڈیشن کی اشاعت تک نبی بخش حقیر کے خطوط کا مجموعہ "بادرات غالب" شائع نہیں ہوا تھا، اس لیے انھیں چھوڑ کر مالک رام نے مزید تھ خطوط ہی اضافہ کیے۔ اسی طرح ظام رسول سر نے چونکہ قصداً "مکاتب غالب" (عرشی) اور "بادرات غالب" کے خطوط شامل نہیں کیے، اس لیے انھیں چھوڑ کر مالک رام نے مزید آٹھ خطوط ہی دیے۔

خطوں کی بارہ بخش

غالب نے اپنے بست سے خطوں میں بارہ بخشیں نہیں دی تھیں۔ بعض میں ہیراج نامانی تھی، مظاہرین یا صیحا تھا لیکن سل ندارد۔ غشی صیش پر شاہ نے حتی الامکان بارہ بخشیں مطوم کیں اور اپنی دریافت کو خط کے آخر میں قوسین میں دیا۔ چونکہ اس جلد میں مفصل حواشی نہیں، اس لیے یہ مطوم نہیں ہو سکتا کہ صیش پر شاہ نے جو بارہ بخشیں طے کیں، ان کی کیا بنیاد تھی۔ ان کے بعد ظام رسول سر نے بھی اپنے طے میں خطوں کی بارہ بخشیں طے کی ہیں، لیکن انھوں نے حاشے میں اپنے فیصلے کی وجہ لکھ دی ہے۔ امید ہے کہ مالک رام صاحب نے اپنے نسخے کی ترحیب کے وقت نسخہ صیش کی بارہ بخشوں کا لازماً اور نسخہ سر کی بارہ بخشوں کا غالباً جائزہ لیا ہوگا۔ اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

"جن خطوں کے بارے میں ہیراج کی تصحیح ہو سکی، ان کا مقام بدل دیا۔" (۱۷۱)

یہ دعویٰ درست ہے۔ انھوں نے چند خطوں کی بارہ بخشوں میں ترمیم کی۔ چند خطوں میں نسخہ صیش میں ہیراج نہ تھی، انھوں نے دریافت کر کے درج کی۔ میں نے نسخہ صیش اور نسخہ مالک کی بارہ بخشوں کا بالاستیعاب تقابلی مطالعہ کیا ہے، لیکن عجیب

ہوں۔

۱۔ "خطوط غالب" ص ۵۹ - ۸۶ پر مکتوب نمبر ۱۴ بنام نقیہ ہے۔ اس کے آخر میں تاریخ ۲ ستمبر ۲۳ اگست درج ہے، "سہ نہیں" سٹیشن پر شاد اور غلام رسول مرنے اس کا سہ ۱۸۵۸ء لکھا، ملک رام نے ۱۸۵۹ء - ڈاکٹر خلیق انجم نے بھی غالب کے خطوط (جلد اول، ص ۳۸ تا ۳۹) ۱۸۵۸ء لکھا ہے۔ کاظم علی خاں دن کی رعایت سے ۱۸۵۸ء کو صحیح اور ۱۸۵۹ء کو غلط نمبراتے ہیں (تحقیقی مطالعہ، ص ۱۳۷ - ان حضرات نے اس جملے پر دھیان نہیں دیا،

"اگر دخیو کو سراسر غور سے دیکھو گے تو ایسا نام پڑے گا۔"

دخیو نومبر ۱۸۵۸ء سے شروع میں چھپی۔ غالب نے ۲ نومبر ۱۸۵۸ء کو پہلی بار مطبوعہ جلد دیکھی (معین الرحمن: علی سرایہ، ص ۱۲۸ - اس سے ظاہر ہے کہ نقیہ کے نام پر خط ۱ اگست ۱۸۵۸ء میں نہیں، اگست ۱۸۵۹ء ہی میں لکھا گیا ہو گا۔

۲۔ "خطوط غالب" میں ص ۳۸ پر نقی عبد اللطیف کے نام کے خط پر تاریخ ۲۹ دسمبر ۱۸۵۸ء درج ہے جبکہ متن خط میں صاف لکھا ہے "آج ۹ دسمبر ہے" ڈاکٹر خلیق انجم نے بھی دسمبر درج کی ہے (جلد سوم، ص ۱۳۷ - صاف ظاہر ہے کہ ملک رام کے ایڈیشن میں ۲۹ دسمبر سو کتابت ہے۔

۳۔ خط نمبر ۳۳۳ بنام مجروح (ص ۳۰۰) پر فردوسی ۱۸۵۹ء درج ہے۔ خط کے مندرجات اسے ۱۸۵۹ء کا مکتوب بتاتے ہیں۔ کاظم علی خاں کا اعتراض درست ہے۔ خط میں صاف لکھا ہے،

"یہ فردوسی سنہ ۱۸۵۹ء، بائیسواں مینا ہے" (ص ۳۰۰) - اس سے ظاہر ہے کہ اس خط کے بھی آخر میں ۱۸۵۹ء سو کتابت ہے۔

۴۔ خط نمبر ۵۱۵ بنام شیو مزائن آرام (ص ۳۰۹) کے آخر میں ۱۳ جولائی ۱۸۵۹ء درج ہے، جبکہ "اردوئے معلیٰ" میں اس کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء ہے جو صحیح ہے (تحقیقی مطالعہ، ص ۱۳۸) - کاظم علی خاں کا قولنا بجا ہے۔ خلیق انجم نے بھی اس کی تاریخ ۲۳ جولائی ۱۸۵۹ء لکھی ہے (جلد سوم، ص ۱۰۷ - ۲۳ جولائی کو ۱۳ جولائی گا، مطوم نہیں مرقب کا سو ہے کہ کاتب کا۔

حواشی

مسیح پر شاد اور ملک رام دونوں کے نسخوں میں فٹ نوٹ میں کچھ حواشی دیے ہیں جو بہت مختصر ہیں۔ بیش تر ان کا تعلق اختلاف نسخ سے ہے۔ نسخہ مسیح میں ان ماحیوں کے معتقد میں انھیں ہیں۔

۱۔ غالب۔ " اردوئے معلیٰ " اور " حور ہندی " میں کچھ جملے ملتے ہیں جن کے بارے میں یقین کیا جاسکا کہ وہ غالب کے لکھے ہوئے ہیں۔ انھیں نسخہ مسیح میں برقرار رکھا گیا ہے اور ان کے آگے " ع " لکھ دیا ہے، مثلاً نسخہ مسیح میں ص ۳۲۰ اور نسخہ ملک میں ص ۳۷۸ کا جملہ۔

۲۔ بعض حواشی مسیح پر شاد کے لکھے ہوئے ہیں۔

۳۔ زیادہ تر حواشی عبداللہ صدیقی کے ہیں اور ان کے آخر میں " ع۔ " مس " یا معجم " لکھا ہوا ہے۔

نسخہ ملک میں نسخہ مسیح کے کم از کم سات ماحیوں کو چھوڑ کر جیسے کو لے لیا گیا ہے سات مخدوف حواشی یہ ہیں۔

نسخہ ملک کا متوازی صفحہ

۳۹

۱۹۹

۳۳

۲۸۴

۳۴

۳۳۰

نسخہ مسیح کا صفحہ

۴۷

۲۵ کا جملہ نمبر ۳۰۲

۱۸۸

۱۳۵

۳۶۷

۲۹۹

ان ماحیوں کو دے لینے کی کچھ وجوہ ہیں، یعنی یا تو انھیں نسخہ ملک کے متن میں شامل کر لیا ہے یا ملک رام ان سے متعلق نہیں۔

نسخہ مسیح میں عبداللہ صدیقی نے اپنے مقدمے میں " اسدراک " کے عنوان سے

بعد طباعت ۲۶ اصلاص یا حواشی درج کیے ہیں۔ ان میں سے بیس تر کو مالک رام نے
 متن میں سمولیا یا جالیے کی شکل میں درج کر دیا، لیکن شامل احمد راک ذیل کے حواشی
 کو نظر انداز کر دیا۔ نسخہ مالک کے صفحے کے حوالے سے ص ۳۰-۳۱ (خط نمبر ۱۳۱۱-۱۳۱۶ ص ۳۰-۳۱)
 "احمد راک" میں نسخہ صمیش کے ص ۱۸۷ سے متعلق نوٹ زیادہ مشکل ہے، جبکہ
 نسخہ مالک میں ص ۲۳ پر یہ قدرے مختصر ہے مگر اس کا ماحصل لے لیا ہے۔ نسخہ مالک
 میں ص ۲۸۱ سے متعلق جالیے بھی نسخہ صمیش سے مختصر تر ہے۔ اس طرح نسخہ صمیش
 کے حواشی (مع حواشی احمد راک) میں سے مالک رام نے ۶ یعنی ۱۰ کو نہیں لیا۔ انھوں
 نے غالباً ان کو قبول نہیں کیا۔ نسخہ مالک میں دو حواشی مختصر تر ہیں۔ ان کے مقابلے
 میں نسخہ مالک میں ۸۶ جالیے مزید ہیں۔ ذیل میں صرف صفحے کا نمبر درج کر رہے ہیں۔ جس
 صفحے پر ایک سے زیادہ حواشی کا اضافہ ہے، وہاں قوسین میں تعداد دے دی ہے۔

- ۶۸ - ۳۶ - ۲۹ - (۲) ۲۹ - ۳۱ - ۳۲ - ۵۰ - ۵۳ - (۲) ۵۷ - (۲) ۵۹ - ۶۰ - ۶۱ - ۶۷ - (۲) ۶۸ -
 ۷۰ - ۸۸ - ۹۰ - ۹۳ - ۹۴ - ۹۸ - ۱۱۹ - (۲) ۱۷۱ - (۲) ۱۸۹ - ۱۹۳ - ۲۰۰ - ۲۰۳ - (۲) ۲۰۷ -
 ۲۱۷ - (۲) ۲۲۰ - ۲۲۱ - (۵) ۲۲۲ - ۲۲۳ - ۲۲۵ - ۲۲۶ - (۲) ۲۲۷ - ۲۲۸ - ۲۲۹ -
 ۲۳۰ - ۲۳۱ - ۲۳۲ - ۲۳۳ - ۲۳۴ - ۲۳۵ - ۲۳۶ - ۲۳۷ - ۲۳۸ - ۲۳۹ - ۲۴۰ - ۲۴۱ - ۲۴۲ -
 (۲) ۲۴۳ - ۲۴۴ - ۲۴۵ - ۲۴۶ - ۲۴۷ - ۲۴۸ - ۲۴۹ - ۲۵۰ - ۲۵۱ - ۲۵۲ - ۲۵۳ - ۲۵۴ - ۲۵۵ - ۲۵۶ - ۲۵۷ - ۲۵۸ - ۲۵۹ - ۲۶۰ - ۲۶۱ - ۲۶۲ - ۲۶۳ - ۲۶۴ - ۲۶۵ - ۲۶۶ - ۲۶۷ - ۲۶۸ - ۲۶۹ - ۲۷۰ - ۲۷۱ - ۲۷۲ - ۲۷۳ - ۲۷۴ - ۲۷۵ - ۲۷۶ - ۲۷۷ - ۲۷۸ - ۲۷۹ - ۲۸۰ - ۲۸۱ - ۲۸۲ - ۲۸۳ - ۲۸۴ - ۲۸۵ - ۲۸۶ - ۲۸۷ - ۲۸۸ - ۲۸۹ - ۲۹۰ - ۲۹۱ - ۲۹۲ - ۲۹۳ - ۲۹۴ - ۲۹۵ - ۲۹۶ - ۲۹۷ - ۲۹۸ - ۲۹۹ - ۳۰۰ - ۳۰۱ - ۳۰۲ - ۳۰۳ - ۳۰۴ - ۳۰۵ - ۳۰۶ - ۳۰۷ - ۳۰۸ - ۳۰۹ - ۳۱۰ - ۳۱۱ - ۳۱۲ - ۳۱۳ - ۳۱۴ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۷ - ۳۱۸ - ۳۱۹ - ۳۲۰ - ۳۲۱ - ۳۲۲ - ۳۲۳ - ۳۲۴ - ۳۲۵ - ۳۲۶ - ۳۲۷ - ۳۲۸ - ۳۲۹ - ۳۳۰ - ۳۳۱ - ۳۳۲ - ۳۳۳ - ۳۳۴ - ۳۳۵ - ۳۳۶ - ۳۳۷ - ۳۳۸ - ۳۳۹ - ۳۴۰ - ۳۴۱ - ۳۴۲ - ۳۴۳ - ۳۴۴ - ۳۴۵ - ۳۴۶ - ۳۴۷ - ۳۴۸ - ۳۴۹ - ۳۵۰ - ۳۵۱ - ۳۵۲ - ۳۵۳ - ۳۵۴ - ۳۵۵ - ۳۵۶ - ۳۵۷ - ۳۵۸ - ۳۵۹ - ۳۶۰ - ۳۶۱ - ۳۶۲ - ۳۶۳ - ۳۶۴ - ۳۶۵ - ۳۶۶ - ۳۶۷ - ۳۶۸ - ۳۶۹ - ۳۷۰ - ۳۷۱ - ۳۷۲ - ۳۷۳ - ۳۷۴ - ۳۷۵ - ۳۷۶ - ۳۷۷ - ۳۷۸ - ۳۷۹ - ۳۸۰ - ۳۸۱ - ۳۸۲ - ۳۸۳ - ۳۸۴ - ۳۸۵ - ۳۸۶ - ۳۸۷ - ۳۸۸ - ۳۸۹ - ۳۹۰ - ۳۹۱ - ۳۹۲ - ۳۹۳ - ۳۹۴ - ۳۹۵ - ۳۹۶ - ۳۹۷ - ۳۹۸ - ۳۹۹ - ۴۰۰ - ۴۰۱ - ۴۰۲ - ۴۰۳ - ۴۰۴ - ۴۰۵ - ۴۰۶ - ۴۰۷ - ۴۰۸ - ۴۰۹ - ۴۱۰ - ۴۱۱ - ۴۱۲ - ۴۱۳ - ۴۱۴ - ۴۱۵ - ۴۱۶ - ۴۱۷ - ۴۱۸ - ۴۱۹ - ۴۲۰ - ۴۲۱ - ۴۲۲ - ۴۲۳ - ۴۲۴ - ۴۲۵ - ۴۲۶ - ۴۲۷ - ۴۲۸ - ۴۲۹ - ۴۳۰ - ۴۳۱ - ۴۳۲ - ۴۳۳ - ۴۳۴ - ۴۳۵ - ۴۳۶ - ۴۳۷ - ۴۳۸ - ۴۳۹ - ۴۴۰ - ۴۴۱ - ۴۴۲ - ۴۴۳ - ۴۴۴ - ۴۴۵ - ۴۴۶ - ۴۴۷ - ۴۴۸ - ۴۴۹ - ۴۵۰ - ۴۵۱ - ۴۵۲ - ۴۵۳ - ۴۵۴ - ۴۵۵ - ۴۵۶ - ۴۵۷ - ۴۵۸ - ۴۵۹ - ۴۶۰ - ۴۶۱ - ۴۶۲ - ۴۶۳ - ۴۶۴ - ۴۶۵ - ۴۶۶ - ۴۶۷ - ۴۶۸ - ۴۶۹ - ۴۷۰ - ۴۷۱ - ۴۷۲ - ۴۷۳ - ۴۷۴ - ۴۷۵ - ۴۷۶ - ۴۷۷ - ۴۷۸ - ۴۷۹ - ۴۸۰ - ۴۸۱ - ۴۸۲ - ۴۸۳ - ۴۸۴ - ۴۸۵ - ۴۸۶ - ۴۸۷ - ۴۸۸ - ۴۸۹ - ۴۹۰ - ۴۹۱ - ۴۹۲ - ۴۹۳ - ۴۹۴ - ۴۹۵ - ۴۹۶ - ۴۹۷ - ۴۹۸ - ۴۹۹ - ۵۰۰ - ۵۰۱ - ۵۰۲ - ۵۰۳ - ۵۰۴ - ۵۰۵ - ۵۰۶ - ۵۰۷ - ۵۰۸ - ۵۰۹ - ۵۱۰ - ۵۱۱ - ۵۱۲ - ۵۱۳ - ۵۱۴ - ۵۱۵ - ۵۱۶ - ۵۱۷ - ۵۱۸ - ۵۱۹ - ۵۲۰ - ۵۲۱ - ۵۲۲ - ۵۲۳ - ۵۲۴ - ۵۲۵ - ۵۲۶ - ۵۲۷ - ۵۲۸ - ۵۲۹ - ۵۳۰ - ۵۳۱ - ۵۳۲ - ۵۳۳ - ۵۳۴ - ۵۳۵ - ۵۳۶ - ۵۳۷ - ۵۳۸ - ۵۳۹ - ۵۴۰ - ۵۴۱ - ۵۴۲ - ۵۴۳ - ۵۴۴ - ۵۴۵ - ۵۴۶ - ۵۴۷ - ۵۴۸ - ۵۴۹ - ۵۵۰ - ۵۵۱ - ۵۵۲ - ۵۵۳ - ۵۵۴ - ۵۵۵ - ۵۵۶ - ۵۵۷ - ۵۵۸ - ۵۵۹ - ۵۶۰ - ۵۶۱ - ۵۶۲ - ۵۶۳ - ۵۶۴ - ۵۶۵ - ۵۶۶ - ۵۶۷ - ۵۶۸ - ۵۶۹ - ۵۷۰ - ۵۷۱ - ۵۷۲ - ۵۷۳ - ۵۷۴ - ۵۷۵ - ۵۷۶ - ۵۷۷ - ۵۷۸ - ۵۷۹ - ۵۸۰ - ۵۸۱ - ۵۸۲ - ۵۸۳ - ۵۸۴ - ۵۸۵ - ۵۸۶ - ۵۸۷ - ۵۸۸ - ۵۸۹ - ۵۹۰ - ۵۹۱ - ۵۹۲ - ۵۹۳ - ۵۹۴ - ۵۹۵ - ۵۹۶ - ۵۹۷ - ۵۹۸ - ۵۹۹ - ۶۰۰ - ۶۰۱ - ۶۰۲ - ۶۰۳ - ۶۰۴ - ۶۰۵ - ۶۰۶ - ۶۰۷ - ۶۰۸ - ۶۰۹ - ۶۱۰ - ۶۱۱ - ۶۱۲ - ۶۱۳ - ۶۱۴ - ۶۱۵ - ۶۱۶ - ۶۱۷ - ۶۱۸ - ۶۱۹ - ۶۲۰ - ۶۲۱ - ۶۲۲ - ۶۲۳ - ۶۲۴ - ۶۲۵ - ۶۲۶ - ۶۲۷ - ۶۲۸ - ۶۲۹ - ۶۳۰ - ۶۳۱ - ۶۳۲ - ۶۳۳ - ۶۳۴ - ۶۳۵ - ۶۳۶ - ۶۳۷ - ۶۳۸ - ۶۳۹ - ۶۴۰ - ۶۴۱ - ۶۴۲ - ۶۴۳ - ۶۴۴ - ۶۴۵ - ۶۴۶ - ۶۴۷ - ۶۴۸ - ۶۴۹ - ۶۵۰ - ۶۵۱ - ۶۵۲ - ۶۵۳ - ۶۵۴ - ۶۵۵ - ۶۵۶ - ۶۵۷ - ۶۵۸ - ۶۵۹ - ۶۶۰ - ۶۶۱ - ۶۶۲ - ۶۶۳ - ۶۶۴ - ۶۶۵ - ۶۶۶ - ۶۶۷ - ۶۶۸ - ۶۶۹ - ۶۷۰ - ۶۷۱ - ۶۷۲ - ۶۷۳ - ۶۷۴ - ۶۷۵ - ۶۷۶ - ۶۷۷ - ۶۷۸ - ۶۷۹ - ۶۸۰ - ۶۸۱ - ۶۸۲ - ۶۸۳ - ۶۸۴ - ۶۸۵ - ۶۸۶ - ۶۸۷ - ۶۸۸ - ۶۸۹ - ۶۹۰ - ۶۹۱ - ۶۹۲ - ۶۹۳ - ۶۹۴ - ۶۹۵ - ۶۹۶ - ۶۹۷ - ۶۹۸ - ۶۹۹ - ۷۰۰ - ۷۰۱ - ۷۰۲ - ۷۰۳ - ۷۰۴ - ۷۰۵ - ۷۰۶ - ۷۰۷ - ۷۰۸ - ۷۰۹ - ۷۱۰ - ۷۱۱ - ۷۱۲ - ۷۱۳ - ۷۱۴ - ۷۱۵ - ۷۱۶ - ۷۱۷ - ۷۱۸ - ۷۱۹ - ۷۲۰ - ۷۲۱ - ۷۲۲ - ۷۲۳ - ۷۲۴ - ۷۲۵ - ۷۲۶ - ۷۲۷ - ۷۲۸ - ۷۲۹ - ۷۳۰ - ۷۳۱ - ۷۳۲ - ۷۳۳ - ۷۳۴ - ۷۳۵ - ۷۳۶ - ۷۳۷ - ۷۳۸ - ۷۳۹ - ۷۴۰ - ۷۴۱ - ۷۴۲ - ۷۴۳ - ۷۴۴ - ۷۴۵ - ۷۴۶ - ۷۴۷ - ۷۴۸ - ۷۴۹ - ۷۵۰ - ۷۵۱ - ۷۵۲ - ۷۵۳ - ۷۵۴ - ۷۵۵ - ۷۵۶ - ۷۵۷ - ۷۵۸ - ۷۵۹ - ۷۶۰ - ۷۶۱ - ۷۶۲ - ۷۶۳ - ۷۶۴ - ۷۶۵ - ۷۶۶ - ۷۶۷ - ۷۶۸ - ۷۶۹ - ۷۷۰ - ۷۷۱ - ۷۷۲ - ۷۷۳ - ۷۷۴ - ۷۷۵ - ۷۷۶ - ۷۷۷ - ۷۷۸ - ۷۷۹ - ۷۸۰ - ۷۸۱ - ۷۸۲ - ۷۸۳ - ۷۸۴ - ۷۸۵ - ۷۸۶ - ۷۸۷ - ۷۸۸ - ۷۸۹ - ۷۹۰ - ۷۹۱ - ۷۹۲ - ۷۹۳ - ۷۹۴ - ۷۹۵ - ۷۹۶ - ۷۹۷ - ۷۹۸ - ۷۹۹ - ۸۰۰ - ۸۰۱ - ۸۰۲ - ۸۰۳ - ۸۰۴ - ۸۰۵ - ۸۰۶ - ۸۰۷ - ۸۰۸ - ۸۰۹ - ۸۱۰ - ۸۱۱ - ۸۱۲ - ۸۱۳ - ۸۱۴ - ۸۱۵ - ۸۱۶ - ۸۱۷ - ۸۱۸ - ۸۱۹ - ۸۲۰ - ۸۲۱ - ۸۲۲ - ۸۲۳ - ۸۲۴ - ۸۲۵ - ۸۲۶ - ۸۲۷ - ۸۲۸ - ۸۲۹ - ۸۳۰ - ۸۳۱ - ۸۳۲ - ۸۳۳ - ۸۳۴ - ۸۳۵ - ۸۳۶ - ۸۳۷ - ۸۳۸ - ۸۳۹ - ۸۴۰ - ۸۴۱ - ۸۴۲ - ۸۴۳ - ۸۴۴ - ۸۴۵ - ۸۴۶ - ۸۴۷ - ۸۴۸ - ۸۴۹ - ۸۵۰ - ۸۵۱ - ۸۵۲ - ۸۵۳ - ۸۵۴ - ۸۵۵ - ۸۵۶ - ۸۵۷ - ۸۵۸ - ۸۵۹ - ۸۶۰ - ۸۶۱ - ۸۶۲ - ۸۶۳ - ۸۶۴ - ۸۶۵ - ۸۶۶ - ۸۶۷ - ۸۶۸ - ۸۶۹ - ۸۷۰ - ۸۷۱ - ۸۷۲ - ۸۷۳ - ۸۷۴ - ۸۷۵ - ۸۷۶ - ۸۷۷ - ۸۷۸ - ۸۷۹ - ۸۸۰ - ۸۸۱ - ۸۸۲ - ۸۸۳ - ۸۸۴ - ۸۸۵ - ۸۸۶ - ۸۸۷ - ۸۸۸ - ۸۸۹ - ۸۹۰ - ۸۹۱ - ۸۹۲ - ۸۹۳ - ۸۹۴ - ۸۹۵ - ۸۹۶ - ۸۹۷ - ۸۹۸ - ۸۹۹ - ۹۰۰ - ۹۰۱ - ۹۰۲ - ۹۰۳ - ۹۰۴ - ۹۰۵ - ۹۰۶ - ۹۰۷ - ۹۰۸ - ۹۰۹ - ۹۱۰ - ۹۱۱ - ۹۱۲ - ۹۱۳ - ۹۱۴ - ۹۱۵ - ۹۱۶ - ۹۱۷ - ۹۱۸ - ۹۱۹ - ۹۲۰ - ۹۲۱ - ۹۲۲ - ۹۲۳ - ۹۲۴ - ۹۲۵ - ۹۲۶ - ۹۲۷ - ۹۲۸ - ۹۲۹ - ۹۳۰ - ۹۳۱ - ۹۳۲ - ۹۳۳ - ۹۳۴ - ۹۳۵ - ۹۳۶ - ۹۳۷ - ۹۳۸ - ۹۳۹ - ۹۴۰ - ۹۴۱ - ۹۴۲ - ۹۴۳ - ۹۴۴ - ۹۴۵ - ۹۴۶ - ۹۴۷ - ۹۴۸ - ۹۴۹ - ۹۵۰ - ۹۵۱ - ۹۵۲ - ۹۵۳ - ۹۵۴ - ۹۵۵ - ۹۵۶ - ۹۵۷ - ۹۵۸ - ۹۵۹ - ۹۶۰ - ۹۶۱ - ۹۶۲ - ۹۶۳ - ۹۶۴ - ۹۶۵ - ۹۶۶ - ۹۶۷ - ۹۶۸ - ۹۶۹ - ۹۷۰ - ۹۷۱ - ۹۷۲ - ۹۷۳ - ۹۷۴ - ۹۷۵ - ۹۷۶ - ۹۷۷ - ۹۷۸ - ۹۷۹ - ۹۸۰ - ۹۸۱ - ۹۸۲ - ۹۸۳ - ۹۸۴ - ۹۸۵ - ۹۸۶ - ۹۸۷ - ۹۸۸ - ۹۸۹ - ۹۹۰ - ۹۹۱ - ۹۹۲ - ۹۹۳ - ۹۹۴ - ۹۹۵ - ۹۹۶ - ۹۹۷ - ۹۹۸ - ۹۹۹ - ۱۰۰۰ - ۱۰۰۱ - ۱۰۰۲ - ۱۰۰۳ - ۱۰۰۴ - ۱۰۰۵ - ۱۰۰۶ - ۱۰۰۷ - ۱۰۰۸ - ۱۰۰۹ - ۱۰۱۰ - ۱۰۱۱ - ۱۰۱۲ - ۱۰۱۳ - ۱۰۱۴ - ۱۰۱۵ - ۱۰۱۶ - ۱۰۱۷ - ۱۰۱۸ - ۱۰۱۹ - ۱۰۲۰ - ۱۰۲۱ - ۱۰۲۲ - ۱۰۲۳ - ۱۰۲۴ - ۱۰۲۵ - ۱۰۲۶ - ۱۰۲۷ - ۱۰۲۸ - ۱۰۲۹ - ۱۰۳۰ - ۱۰۳۱ - ۱۰۳۲ - ۱۰۳۳ - ۱۰۳۴ - ۱۰۳۵ - ۱۰۳۶ - ۱۰۳۷ - ۱۰۳۸ - ۱۰۳۹ - ۱۰۴۰ - ۱۰۴۱ - ۱۰۴۲ - ۱۰۴۳ - ۱۰۴۴ - ۱۰۴۵ - ۱۰۴۶ - ۱۰۴۷ - ۱۰۴۸ - ۱۰۴۹ - ۱۰۵۰ - ۱۰۵۱ - ۱۰۵۲ - ۱۰۵۳ - ۱۰۵۴ - ۱۰۵۵ - ۱۰۵۶ - ۱۰۵۷ - ۱۰۵۸ - ۱۰۵۹ - ۱۰۶۰ - ۱۰۶۱ - ۱۰۶۲ - ۱۰۶۳ - ۱۰۶۴ - ۱۰۶۵ - ۱۰۶۶ - ۱۰۶۷ - ۱۰۶۸ - ۱۰۶۹ - ۱۰۷۰ - ۱۰۷۱ - ۱۰۷۲ - ۱۰۷۳ - ۱۰۷۴ - ۱۰۷۵ - ۱۰۷۶ - ۱۰۷۷ - ۱۰۷۸ - ۱۰۷۹ - ۱۰۸۰ - ۱۰۸۱ - ۱۰۸۲ - ۱۰۸۳ - ۱۰۸۴ - ۱۰۸۵ - ۱۰۸۶ - ۱۰۸۷ - ۱۰۸۸ - ۱۰۸۹ - ۱۰۹۰ - ۱۰۹۱ - ۱۰۹۲ - ۱۰۹۳ - ۱۰۹۴ - ۱۰۹۵ - ۱۰۹۶ - ۱۰۹۷ - ۱۰۹۸ - ۱۰۹۹ - ۱۱۰۰ - ۱۱۰۱ - ۱۱۰۲ - ۱۱۰۳ - ۱۱۰۴ - ۱۱۰۵ - ۱۱۰۶ - ۱۱۰۷ - ۱۱۰۸ - ۱۱۰۹ - ۱۱۱۰ - ۱۱۱۱ - ۱۱۱۲ - ۱۱۱۳ - ۱۱۱۴ - ۱۱۱۵ - ۱۱۱۶ - ۱۱۱۷ - ۱۱۱۸ - ۱۱۱۹ - ۱۱۲۰ - ۱۱۲۱ - ۱۱۲۲ - ۱۱۲۳ - ۱۱۲۴ - ۱۱۲۵ - ۱۱۲۶ - ۱۱۲۷ - ۱۱۲۸ - ۱۱۲۹ - ۱۱۳۰ - ۱۱۳۱ - ۱۱۳۲ - ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ - ۱۱۳۵ - ۱۱۳۶ - ۱۱۳۷ - ۱۱۳۸ - ۱۱۳۹ - ۱۱۴۰ - ۱۱۴۱ - ۱۱۴۲ - ۱۱۴۳ - ۱۱۴۴ - ۱۱۴۵ - ۱۱۴۶ - ۱۱۴۷ - ۱۱۴۸ - ۱۱۴۹ - ۱۱۵۰ - ۱۱۵۱ - ۱۱۵۲ - ۱۱۵۳ - ۱۱۵۴ - ۱۱۵۵ - ۱۱۵۶ - ۱۱۵۷ - ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ - ۱۱۶۰ - ۱۱۶۱ - ۱۱۶۲ - ۱۱۶۳ - ۱۱۶۴ - ۱۱۶۵ - ۱۱۶۶ - ۱۱۶۷ - ۱۱۶۸ - ۱۱۶۹ - ۱۱۷۰ - ۱۱۷۱ - ۱۱۷۲ - ۱۱۷۳ - ۱۱۷۴ - ۱۱۷۵ - ۱۱۷۶ - ۱۱۷۷ - ۱۱۷۸ - ۱۱۷۹ - ۱۱۸۰ - ۱۱۸۱ - ۱۱۸۲ - ۱۱۸۳ - ۱۱۸۴ - ۱۱۸۵ - ۱۱۸۶ - ۱۱۸۷ - ۱۱۸۸ - ۱۱۸۹ - ۱۱۹۰ - ۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ - ۱۱۹۳ - ۱۱۹۴ - ۱۱۹۵ - ۱۱۹۶ - ۱۱۹۷ - ۱۱۹۸ - ۱۱۹۹ - ۱۲۰۰ - ۱۲۰۱ - ۱۲۰۲ - ۱۲۰۳ - ۱۲۰۴ - ۱۲۰۵ - ۱۲۰۶ - ۱۲۰۷ - ۱۲۰۸ - ۱۲۰۹ - ۱۲۱۰ - ۱۲۱۱ - ۱۲۱۲ - ۱۲۱۳ - ۱۲۱۴ - ۱۲۱۵ - ۱۲۱۶ - ۱۲۱۷ - ۱۲۱۸ - ۱۲۱۹ - ۱۲۲۰ - ۱۲۲۱ - ۱۲۲۲ - ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ - ۱۲۲۵ - ۱۲۲۶ - ۱۲۲۷ - ۱۲۲۸ - ۱۲۲۹ - ۱۲۳۰ - ۱۲۳۱ - ۱۲۳۲ - ۱۲۳۳ - ۱۲۳۴ - ۱۲۳۵ - ۱۲۳۶ - ۱۲۳۷ - ۱۲۳۸ - ۱۲۳۹ - ۱۲۴۰ - ۱۲۴۱ - ۱۲۴۲ - ۱۲۴۳ - ۱۲۴۴ - ۱۲۴۵ - ۱۲۴۶ - ۱۲۴۷ - ۱۲۴۸ - ۱۲۴۹ - ۱۲۵۰ - ۱۲۵۱ - ۱۲۵۲ - ۱۲۵۳ - ۱۲۵۴ - ۱۲۵۵ - ۱۲۵۶ - ۱۲۵۷ - ۱۲۵۸ - ۱۲۵۹ - ۱۲۶۰ - ۱۲۶۱ - ۱۲۶۲ - ۱۲۶۳ - ۱۲۶۴ - ۱۲۶۵ - ۱۲۶۶ - ۱۲۶۷ - ۱۲۶۸ - ۱۲۶۹ - ۱۲۷۰ - ۱۲۷۱ - ۱۲۷۲ - ۱۲۷۳ - ۱۲۷۴ - ۱۲۷۵ - ۱۲۷۶ - ۱۲۷۷ - ۱۲۷۸ - ۱۲۷۹ - ۱۲۸۰ - ۱۲۸۱ - ۱۲۸۲ - ۱۲۸۳ - ۱۲۸۴ - ۱۲۸۵ - ۱۲۸۶ - ۱۲۸۷ - ۱۲۸۸ - ۱۲۸۹ - ۱۲۹۰ - ۱۲۹۱ - ۱۲۹۲ - ۱۲۹۳ - ۱۲۹۴ - ۱۲۹۵ - ۱۲۹۶ - ۱۲۹۷ - ۱۲۹۸ - ۱۲۹۹ - ۱۳۰۰ - ۱۳۰۱ - ۱۳۰۲ - ۱۳۰۳ - ۱۳۰۴ - ۱۳۰۵ - ۱۳۰۶ - ۱۳۰۷ - ۱۳۰۸ - ۱۳۰۹ - ۱۳۱۰ - ۱۳۱۱ - ۱۳۱۲ - ۱۳۱۳ - ۱۳۱۴ - ۱۳۱۵ - ۱۳۱۶ - ۱۳۱۷ - ۱۳۱۸ - ۱۳۱۹ - ۱۳۲۰ - ۱۳۲۱ - ۱۳۲۲ - ۱۳۲۳ - ۱۳۲۴ - ۱۳۲۵ - ۱۳۲۶ - ۱۳۲۷ - ۱۳۲۸ - ۱۳۲۹ - ۱۳۳۰ - ۱۳۳۱ - ۱۳۳۲ - ۱۳۳۳ - ۱۳۳۴ - ۱۳۳۵ - ۱۳۳۶ - ۱۳۳۷ - ۱۳۳۸ - ۱۳۳۹ - ۱۳۴۰ - ۱۳۴۱ - ۱۳۴۲ - ۱۳۴۳ - ۱۳۴۴ - ۱۳۴۵ - ۱۳۴۶ - ۱۳۴۷ - ۱۳۴۸ - ۱۳۴۹ - ۱۳۵۰ - ۱۳۵۱ - ۱۳۵۲ - ۱۳۵۳ - ۱۳۵۴ - ۱۳۵۵ - ۱۳۵۶ - ۱۳۵۷ - ۱۳۵۸ - ۱۳۵۹ - ۱۳۶۰ - ۱۳۶۱ - ۱۳۶۲ - ۱۳۶۳ - ۱۳۶۴ - ۱۳۶۵ - ۱۳۶۶ - ۱۳۶۷ - ۱۳۶۸ - ۱۳۶۹ - ۱۳۷۰ - ۱۳۷۱ - ۱۳۷۲ - ۱۳۷۳ - ۱۳۷۴ - ۱۳۷۵ - ۱۳۷۶ - ۱۳۷۷ - ۱۳۷۸ - ۱۳۷۹ - ۱۳۸۰ - ۱۳۸۱ - ۱۳۸۲ - ۱۳۸۳ - ۱۳۸۴ - ۱۳۸۵ - ۱۳۸۶ - ۱۳۸۷ - ۱۳۸۸ - ۱۳۸۹ - ۱۳۹۰ - ۱۳۹۱ - ۱۳۹۲ - ۱۳۹۳ - ۱۳۹۴ - ۱۳۹۵ - ۱۳۹۶ - ۱۳۹۷ - ۱۳۹۸ - ۱۳۹۹ - ۱۴۰۰ - ۱۴۰۱ - ۱۴۰۲ - ۱۴۰۳ - ۱۴۰۴ - ۱۴۰۵ - ۱۴۰۶ - ۱۴۰۷ - ۱۴۰۸ - ۱۴۰۹ - ۱۴۱۰ - ۱۴۱۱ - ۱۴۱۲ - ۱۴۱۳ - ۱۴۱۴ - ۱۴۱۵ - ۱۴۱۶ - ۱۴۱۷ - ۱۴۱۸ - ۱۴۱۹ - ۱۴۲۰ - ۱۴۲۱ - ۱۴۲۲ - ۱۴۲۳ - ۱۴۲۴ - ۱۴۲۵ - ۱۴۲۶ - ۱۴۲۷ - ۱۴۲۸ - ۱۴۲۹ - ۱۴۳۰ - ۱۴۳۱ - ۱۴۳۲ - ۱۴۳۳ - ۱۴۳۴ - ۱۴۳۵ - ۱۴۳۶ - ۱۴۳۷ - ۱۴۳۸ - ۱۴۳۹ - ۱۴۴۰ - ۱۴۴۱ - ۱۴۴۲ - ۱۴۴۳ - ۱۴۴۴ - ۱۴۴۵ - ۱۴۴۶ - ۱۴۴۷ - ۱۴۴۸ - ۱۴۴۹ - ۱۴۵۰ - ۱۴۵۱ - ۱۴۵۲ - ۱۴۵۳ - ۱۴۵۴ - ۱۴۵۵ - ۱۴۵۶ - ۱۴۵۷ - ۱۴۵۸ - ۱۴۵۹ - ۱۴۶۰ - ۱۴۶۱ - ۱۴۶۲ - ۱۴۶۳ - ۱۴۶۴ - ۱۴۶۵ - ۱۴۶۶ - ۱۴۶۷ - ۱۴۶۸ - ۱۴۶۹ - ۱۴۷۰ - ۱۴۷۱ - ۱۴۷۲ - ۱۴۷۳ - ۱۴۷۴ - ۱۴۷۵ - ۱۴۷۶ - ۱۴۷۷ - ۱۴۷۸ - ۱۴۷۹ - ۱۴۸۰ - ۱۴۸۱ - ۱۴۸۲ - ۱۴۸۳ - ۱۴۸۴ - ۱۴۸۵ - ۱۴۸۶ - ۱۴۸۷ - ۱۴۸۸ - ۱۴۸۹ - ۱۴۹۰ - ۱۴۹۱ - ۱۴۹۲ - ۱۴۹۳ - ۱۴۹۴ - ۱۴۹۵ - ۱۴۹۶ - ۱۴۹۷ - ۱۴۹۸ - ۱۴۹۹ - ۱۵۰۰ - ۱۵۰۱ - ۱۵۰۲ - ۱۵۰۳ - ۱۵۰۴ - ۱۵۰۵ - ۱۵۰۶ - ۱۵۰۷ - ۱۵۰۸ - ۱۵۰۹ - ۱۵۱۰ - ۱۵۱۱ - ۱۵۱۲ - ۱۵۱۳ - ۱۵۱۴ - ۱۵۱۵ - ۱۵۱۶ - ۱۵۱۷ - ۱۵۱۸ - ۱۵۱۹ - ۱۵۲۰ - ۱۵۲۱ - ۱۵۲۲ - ۱۵۲۳ - ۱۵۲۴ - ۱۵۲۵ - ۱۵۲۶ - ۱۵۲۷ - ۱۵۲۸ - ۱۵۲۹ - ۱۵۳۰ - ۱۵۳۱ - ۱۵۳۲ - ۱۵۳۳ - ۱۵۳۴ - ۱۵۳۵ - ۱۵۳۶ - ۱۵۳۷ - ۱۵۳۸ - ۱۵۳۹ - ۱۵۴۰ -

”پہلی جلد کا نظریاتی کیا ہوا مسودہ“ کیا ہندوستانی اکیڈمی سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہونے والی جلد سے بخش تر کا پر لیں کا مسودہ ہے یا سمیش پر شاہ کی مطبوعہ کتب پر مزید نظریاتی کیا ہوا؟ پہلی صورت مشکل ہے، کیونکہ کاتب کتابت کرتے وقت مسودے کی جلد اکھاڑ دیتا ہے اور طباعت کے بعد اس کے منتظر اور اوراق اوپر اوپر ہو جاتے ہیں عبدالستار صدیقی نے مطبوعہ جلد اول پر نظریاتی کی ہوگی اور اس میں حواشی کا اضافہ کیا ہو گا۔ کیا بعید ہے کہ ان میں سے بعض حواشی کے بالواسطہ معتف اصلی مالک رام ہی ہوں۔ مالک رام ”ہماری زبان“ کے مضمون میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے نسخہ سمیش کی اشاعت کے بعد اس نسخے کے بعض اظہار سمیش پر شاہ کو لکھ بھیجے تھے۔ سمیش پر شاہ نے وہ خط عبدالستار صدیقی کو دے دیا جس کا ذکر خود صدیقی صاحب نے مالک رام سے کیا۔ (۱۳۱) اگر صدیقی صاحب نے سمیش پر شاہ کی مطبوعہ جلد پر نظریاتی کی ہوگی تو مالک رام کے نشان زدہ الفاظ کی فٹ نوٹ میں ہاتھ سے اصلاح کرنی ہوگی۔ اس طرح میں ممکن ہے کہ نسخہ مالک کے جن مزید حواشی کے آگے ”ع م“ لکھا ہے ان میں سے بعض مالک رام کے محولہ بالا خط سے لیے گئے ہوں گے اور جو نئے حواشی عبدالستار صدیقی ہی کی تصنیف ہیں۔ کم از کم انھیں معرعل اشاعت میں لانے کا سوا نسخہ مالک رام کے سر ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ خطوط غالب کے دونوں ایڈیشنوں کے حواشی نہایت مختصر اور غیر اہم ہیں۔ میں نسخہ مالک کے چند حواشی کے بارے میں دو لفظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ ۱۔ نسخہ مالک میں ص ۳۰ پر خط نمبر ۳۳۳ ختم مجروح میں نسخہ میں کا نوٹ نقل کیا ہے کہ

”میں نے غلطی سے اس خط کے ساتھ خط ۲۹۸ کو ملا دیا ہے۔“

نسخہ سمیش کے لیے نمبر ۲۹۸ صحیح تھا لیکن نسخہ مالک میں ۲۹۸ یوسف علی خاں کے نام ہے۔ نسخہ سمیش کا ۲۹۸ نسخہ مالک میں دراصل نمبر ۳۹۸ ہے اور سچی لکھا چاہیے تھا اس چوک سے قطع نظر نسخہ مالک میں خط ۲۹۷-۲۹۸ وغیرہ کے حواشی میں دوسرے خطوں

کے حوالے ہیں اور ان میں نسخہ صبیح کے خط کا فیروزی دست کر کے لکھا ہے۔
۲۔ نسخہ صبیح میں ص ۲۳ پر بھوج کے نام کے ایک خط کی عبارت ہے،
”انگریزی سرکار سے دس ہزار روپے سال ٹھہرے۔ اس میں سے تجھ کو
ٹے ساڑھے سات سو روپے سال۔ ایک صاحب نے نہ دیے مگر عین ہزار
روپے سال۔“

آخری جیلے پر عبدالستار صدیقی کا یہ لکھتے ہیں،

”اس جیلے کا مطلب کچھ صاف نہیں۔ ع۔ ص۔“

سمر نے اپنے نسخے میں اس عبارت کو یوں صحیح کر کے لکھا،

”انگریز کی سرکار سے دس ہزار روپے سال ٹھہرے۔ ایک صاحب نے نہ

دیے مگر عین ہزار روپے سال۔ اس میں سے تجھ کو ٹے ساڑھے سات سو

روپے سال۔“ (ص ۲۸۸)

عبارت کا جھول نکل گیا۔ سمر نے عبدالستار صدیقی کا حاشیہ نکل دیا کہ وہ اب غیر ضروری
تقدیم نام نے بھی ص ۳۳ پر جملوں میں سر کی ترمیم رکھی لیکن ”سال ٹھہرے“
کی جگہ نسخہ صبیح کی طرح ”سال ٹھہرے“ لکھا اور انھوں نے بھی نسخہ صبیح کا حاشیہ
نہیں دیا۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ نسخہ مالک میں آنکھ سود کے نسخہ صبیح کا متن نقل
نہیں کیا گیا بلکہ حسب ضرورت اس میں اصلاح و ترمیم کی گئی ہے۔

۳۔ ص ۱۳۸ ع۔ جزو دلیع غم زیادہ نبودہ ست کام ما۔ اس غزل کے لیے نسخہ صبیح
میں ص ۳۳ پر عبدالستار صدیقی نے حاشیہ لکھا کہ ”یہ کلیات میں نہیں ہے۔“ سمر نے
اپنے نسخے میں ص ۲۷ پر یہ حاشیہ حذف کر دیا ہے۔ مالک نام نے اپنے نسخے میں ص ۳۸
پر، ”تجھ تر حاشیہ لکھا کہ“ ”یہ سد چین میں ہے۔“ ”وہ“ ”سد چین“ کو مرقب کر چکے تھے
اس لیے کہ اس کے عارف تھے۔

۴۔ مالک نام کا ص ۳۴ کا لوٹ بہت مفصل اور تہا از معطلت ہے۔

۵۔ ہیونزان آرام آگرے سے آئیہ پندرہ روزہ رسالہ ”معیار الطغرا“ لکھتے تھے

نسخہ ملک میں ص ۳۳۱ کے دو خطوں نمبر ۵۳۱، ۵۳۲ میں غلطی سے اس کا نام "معیار الاشعار" چھپ گیا ہے۔ یہ صرف نسخہ مسیحی اور نسخہ ملک میں نہیں بلکہ ان کے نامزد میں بھی ہے۔ "معیار الاشعار" محقق طوسی کی کتاب کا نام ہے۔ نسخہ مسیحی میں ص ۳۳۳ پر عبداللہ صمدی کا نوٹ ہے، "غالبا وہی معیار الشعرا مراد ہے"۔ یہ مزودی نوٹ نسخہ ملک میں سہو کتابت کی وجہ سے حذف ہو گیا ہے، کیونکہ دونوں خطوں میں "معیار الاشعار" کے حوالے کا نشان (۵۳) بنا ہے لیکن فٹ نوٹ میں اس کی صراحت مذکور ہونے سے رہ گئی۔

مقدمہ

مرقب قن سے توفیق کی جاتی ہے کہ وہ ایک محققانہ مقدمہ بھی لکھے گا جس میں اس قن سے متعلق مزودی معلومات دے گا، بالخصوص ان قہمی اور مطلوبہ نسخوں کی تفصیل جن کو اس نے جٹی نظر رکھا ہے۔

مسیحی پرشاد نے اپنے دیباچے میں صرف ان ذرائع کا ذکر کیا جن سے انھیں مختلف خطوط ملے۔ قن کا مقدمہ لکھنے کا کام انھوں نے ڈاکٹر عبداللہ صمدی کے سپرد کر دیا۔ مسیحی پرشاد کو باہرین غائبیات میں شمار کیا جاتا ہے، لیکن غالب کے سلسلے میں انھوں نے صرف اس کتاب کے سوا کوئی کام نہیں کیا۔ چند مضامین ہو سکتے ہیں، لیکن کتاب صرف یہی ہے جس میں انھوں نے یہ کام کیا کہ "اردوے معلیٰ" اور "عمود ہندی" کے ساتھ ساتھ کچھ دوسرے ذرائع سے بھی خطوط حاصل کیے۔ ان میں سے جن کی تاریخ کا تعین کر سکے، کیا اور انھیں تاریخی ترتیب سے مرقب کیا۔ معلوم ہوتا ہے، انھوں نے قن کی بھی کسی قدر تصحیح کی، کیونکہ ان کے ایڈیشن کے متعدد حواشی کے آگے عبداللہ صمدی کا نام نہیں۔ اور اس کے بعد مسیحی پرشاد نے خود اعتمادی سے کئی دکھائی۔ یہ کہیے باہر غائبیات تھے کہ اپنا حیا شدہ قن نظر ثانی کے لیے، نیز مقدمہ لکھنے کے لیے ڈاکٹر عبداللہ صمدی کو دے دیا؟ حدیہ ہے کہ دوسرے ایڈیشن کے لیے بھی وہ مرقب کا یہ فریضہ عبداللہ صمدی کے سپرد کرنا چاہتے تھے؟

ڈاکٹر صدیقی اپنے خط، مورخہ ۸ اپریل ۱۹۷۵ء، بنام عقلی حسن موسوی، میں لکھتے ہیں:

”غشی صبیح پر شاہ مرحوم کی خواہش تھی کہ پہلے کی طرح اب بھی میں ہی کتاب کی نگرانی اور نظر ثانی کا کام انجام دوں۔“

(اسرار تحقیق، جلد نمبر ۶، ص ۱۴۳)

صدیقی صاحب عربی فارسی کے عالم تھے، لیکن غائبیت ان کا خصوصی موضوع نہ تھا معلوم ہوتا ہے، متن کی درستی میں انھوں نے صبیح پر شاہ سے کم محنت نہیں کی، کیونکہ انھوں نے بھی خطوط کے ان تمام مجموعوں کو سامنے رکھا جن سے صبیح پر شاہ نے ترتیب دی تھی۔ اپنے مقدمے میں عبداللطیف صدیقی نے ان نسخوں کی تفصیل دی ہے غایت متن کے بعد انھیں جو غلطیاں دکھائی دیں، وہ انھوں نے مقدمے ہی میں ”سہراک“ کے عنوان سے لکھ دی ہیں۔

مقدمے میں انھوں نے اعلیٰ غائب کی خصوصیات بھی لکھائی ہیں۔ ستم یہ کیا ہے کہ مطبوعہ ایڈیشن میں غائب کے املا کی اس حد تک چوری کی ہے کہ متر کو بالکل ہی بھڑپا ہے، یعنی، اوس، اودھر، اونٹ، اونٹنا وغیرہ۔ یہ کلمی پر کلمی مارنے کے مترادف ہے غائب کا املا غائب کے عہد کے لیے تھا۔ آج کے عہد میں ہر معترف کی نگارشات آج کے املا میں لکھی جائیں گی، بشرطے کہ اس سے غلط میں کوئی حیرت ملی نہ ہو۔

ڈاکٹر صدیقی اطلاع دیتے ہیں:

”خطوط غائب کی دوسری جلد کے آخر میں کچھ ضمیمے اور اشاریے ہوں گے۔

انھیں میں ایک فہرست خطوط کی ہوگی اور اس میں ہر خط کے متعلق یہ بتایا جائے گا کہ وہ کہاں سے لیا گیا ہے۔“ (مقدمہ، ص ۱ وی)

افسوس کہ دوسری جلد شائع نہ ہو سکی۔

ڈاکٹر خلیق انجم اطلاع دیتے ہیں،

”دوسری جلد کا مستودہ انجمن نے حاصل کر لیا تھا۔ بد نصیبی سے دوسری جلد

کا مستودہ انجمن سے گم ہو گیا۔“

ملک رام کے ایڈیشن میں سمیش پر شمار کا درجہ موجود ہے، لیکن اس سے مفید تر عبدالستار صدیقی کا مقدمہ غیر حاضر ہے۔ انجمن کے جرنل، سیکرٹری سرور صاحب نے ایک مختصر تعارف لکھ دیا اور اس کتاب کی طباعت اچھی نہیں لیکن پُرانا اظہار بھی نہیں۔ ایک لمبی خط میں ڈاکٹر صدیقی نے اس کتاب کی جو تحقیریں کی ہیں اس کا جواز کچھ میں نہیں دے سکتا۔ کراچی کے عقل حسن موسیٰ کو انھوں نے ۸ اپریل ۱۹۶۵ء کو ایک خط لکھا جو ”تحریک“ مارچ ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔

ایک اقتباس،

”اب جو کتاب چھپ کر آئی اور ایک نسخہ مجھے ملا تو کیا کہوں کہ مجھ پر کیا بہت گنتی۔ ظاہر تو جیسا کچھ ہے، وہ سب پر عیاں ہے، باتن اس سے کہیں زیادہ خراب اور سڑکا خط غلط، معنی غلط، انفا غلط، ملا غلط، نہ صحت کا لحاظ، نہ آہندہ کا پتا۔ حواشی میں مختلف موجود، البتہ ان کی حیثیت طلسمات کی سی ہو کر رہ گئی۔ جو وضاحتیں کتاب کے ہندوستانی آکسفورڈ والے ایڈیشن میں میرے معروضات کے ذریعے ہوتی تھیں، وہ یک قلم خارج۔ اب اس طلسم کو کھولنے تو کون اور کھلے تو کیونکر“۔

(اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۶۰، ص ۷۵)

ان کے اعتراضات بڑی حد تک بجا ہیں، لیکن لمبے کی حدود کی نفسیاتی وجہ یہی ہوگی کہ نسخہ سمیش پر شمار کے اوپر اعتراف تھا کہ عبدالستار صدیقی نے نظر ثانی کی، نیز ان کا مقدمہ جاہل کتاب تھا۔ انجمن کے ایڈیشن میں ان کا مقدمہ بھی نہیں اور نظر ثانی والا فقرہ بھی نہیں۔ ان کے مقدمے کے فقدان کے باعث آہندہ کا پتا بھی نہ ہا اور حواشی کے مختلف کی وضاحت بھی جاتی رہی یعنی ع م - ۱ م - ۲ م - ۳ م - ۴ م - ۵ م - ۶ م - ۷ م - ۸ م - ۹ م - ۱۰ م کا مقدمہ سرور صاحب کے فیصلے کے تحت نکالا گیا یا ملک رام کے ایما پر۔ اگر ملک رام کوئی مستقل مقدمہ لکھتے تو صبح اول کے مقدمے کو خارج کرنے کا جواز تھا۔

ملک رام نے مقدمہ کیوں نہیں لکھا؟

”تحریک“ دسمبر ۱۹۴۵ء میں ادارتی نوٹ کے سلسلے میں سرور صاحب کا ایک خط چھپا جو ”اردو تحقیق اور مالک رام“ کے ص ۱۸ پر ہے۔ اس خط، عبدالستار صدیقی کے خط (”تحریک“ مارچ ۱۹۴۵ء) اور مالک رام کے مضمون (”ہمدی زبان“ ۸ مارچ ۱۹۴۵ء) کی حد سے اس ایڈیشن کی جو سرگزشت تکمیل ہوتی ہے وہ یوں ہے۔

۱۹۳۱ء میں فقہہ سمیٹ پر شاہ جلد اول شائع ہوئی۔ مالک رام صاحب اس وقت مصر میں مقیم تھے۔ سمیٹ پر شاہ نے ایک جلد انھیں تحفہ بھیجی۔ مالک رام صاحب کو اس میں جو الفاظ نظر آئیں، انھیں گھڑ کر مصنف کے پاس بھیج دیا۔ سمیٹ پر شاہ کا انتقال اگست ۱۹۵۱ء میں ہوا۔ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کے خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مالک رام صاحب نے ان سے درخواست ظاہر کی کہ وہ خطوط غالب کی ترسیب مٹنی کرنا چاہتے ہیں عبدالستار صاحب نے اس امر کو پوشیدہ رکھ کر انجمن ترقی اردو کو تجویز کی کہ اس کام کے لیے مالک رام کو کما جائے۔ ۱۹۵۶ء کے آخر یا ۱۹۵۷ء کے شروع میں انجمن نے مالک رام کو ”خطوط غالب“ کی دونوں جلدیں نئے سرے سے مرتب کرنے کا کام سونپا اس سلسلے میں انھیں سمیٹ پر شاہ کی ترسیب دی ہوئی اور عبدالستار صدیقی کی نظر پانی کی ہوئی دونوں جلدوں کے مسودے سوپ دیے گئے۔ میرا خیال ہے کہ جلد اول مطبوعہ پر ترمیم و اضافے رہے ہوں گے اور جلد دوم کا ہاتھ سے لکھا مسودہ ہو گا۔

سمیٹ پر شاہ کی جلد اول کے اسقام سے وہ پہلے ہی واقف تھے۔ انھوں نے اسی سال پہلی جلد مرتب کر دی اور ڈاکٹر گوپی چند ہارنگ کی مدد سے ۱۹۵۷ء کے آخر تک کتابت مکمل کرا دی۔ کتابت کی ہوئی کاپیاں انجمن کے سپرد کر کے وہ اپریل ۱۹۵۸ء میں ہندوستان سے باہر چلے گئے۔ انھوں نے سوچا تھا کہ جب طباعت ہوگی، مقدمہ لکھ دیں گے۔ انجمن کے کاموں کے لیت و لعل سے سب واقف ہیں۔ کتابت کی کاپیاں کئی سال پڑی رہیں۔ پھر احساس ہوا کہ طباعت میں بہت زیادہ التوا ہو گیا ہے۔ انجمن نے مالک رام صاحب کی عدم موجودگی اور لاعلمی میں ۱۹۶۳ء میں طباعت کرا دی، گو کتاب پر ۱۹۶۴ء درج ہے۔ طباعت و اشاعت کے بعد ان کے یورپ کے چنے پر انھیں

کوئی جلد بھیجی بھی نہیں گئی۔ ۱۹۴۳ء میں جب وہ ہندوستان آئے اور انھوں نے مکتبہ جامعہ بمبئی کی دکان پر مطبوعہ جلد دیکھی تو انھیں معلوم ہوا کہ کتاب چھپ گئی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انجمن نے ان سے کہا ہی نہیں کہ وہ کتاب پر مقدمہ لکھ کر بھیج دیں۔ یورپ چھٹی لکھی جاسکتی تھی اور یورپ میں بیٹھے بیٹھے بھی مقدمہ لکھا جاسکتا تھا لیکن ان سے کسی نے کہا ہو جب تو۔

انجمن کے ایڈیشن کا مرتب ۹

احقر اصرار کیا گیا ہے کہ اس ایڈیشن پر مرتب کی حیثیت سے صیقل پر شاہ کا نام کیوں درج نہیں اور مالک رام کا نام کیوں درج ہے۔ منجملہ دوسرے حضرات کے سرور صاحب تک کا یہ عقیدہ ہے۔

موراصل مالک رام نے یہ خط مرتب نہیں کیے "۔ (۱۹۶۱ء)
 کئیے، ڈاؤن کھیں کہ کیا یہ ایڈیشن صیقل پر شاہ کا شرف ہے یا مالک رام نے اس کی تشکیل نو کی ہے۔ تم از کم سرور صاحب تو یہی سمجھتے ہیں کہ مالک رام نے صیقل پر شاہ کے نسخے کی صرف طباعت کی تصحیح کی۔ لکھتے ہیں۔

"کتاب، عرصہ ہوا، مالک رام کو نیا ایڈیشن تیار کرنے کے لیے دی گئی تھی

وہ طباعت کی تصحیح کر کے گوئی چند بارنگ کو کتاب دے گئے "۔ (۱۹۶۱ء)

لیکن مارچ ۱۹۴۳ء میں، جب اس کتاب کے بارے میں ان کا حافظہ تازہ تھا، ان کی رائے مختلف تھی۔ اپنے تعارف میں لکھتے ہیں:

"خطوط غالب کے نئے ایڈیشن کی تیاری آسان نہ تھی۔ ظام رسول مر

نے اس عرصے میں ان خطوط سے بھی فائدہ اٹھاتے ہوئے دو جلدوں میں

غالب کے خطوط یک جا کر دیے تھے۔ پھر کچھ نیا مواد بھی ملنے آیا تھا، مگر

مالک رام صاحب نے نہایت پس فغانی سے سارے کام کا جائزہ لیا۔ جہاں

جہاں ضروری سمجھا، اہم واقعات کی صحت کی، جہاں اضافہ مناسب معلوم ہوا

اضافہ کیا اور اس طرح ایک ایسا ایڈیشن تیار کر دیا جسے غز کے ساتھ پیش کیا

جاسکا ہے۔ اس طرح نہ صرف غالب کے ان خطوط کا ایک صحیح ایڈیشن تیار ہو گیا بلکہ مولوی مصیبت پر شاہ مرحوم کے کام کا بھی مناسب اعتراف ہو گیا۔

۱۔ خطوط غالب "مرتبہ ملک رام"

جو یہ سب کرے، اسے مرتبہ کہنے میں کیا نخل ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پیچھے تفصیل دی جا چکی ہے، اس ترتیب میں ملک رام صاحب کا بہرہ یہ ہے،

۱۔ یہ خطوط کا احاطہ کیا جن میں سے وہ مملورات غالب سے لے کر عظام رسول مر کے نسخے سے اور چار دوسرے ماضوں سے۔ ان میں سے چند خیر مطبوعہ تھے جو خود ان کے ذخیرے سے لیے گئے۔ (ادعا)

۲۔ نسخہ مصر سے لے کر ایک مکتوب الیہ کا غلط احتساب درست کیا۔

۳۔ یہ خطوط کی تاریخوں میں ترمیم و اصلاح کی اور اس کی مناسبت سے خطوط کی ترتیب بھی بدلی۔

۴۔ کم از کم ۴۱ حواشی بڑھائے۔

۵۔ بعض خطوط کے متن کی درستی کی۔

اتنی تبدیلیوں کے بعد انجمن کا ایڈیشن "مصیبت پر شاہ کے ایڈیشن کی دوسری جلد چھاپ نہیں سکا، اور ملک رام مرتبہ کا درجہ پا جاتے ہیں۔ ذرا دیکھیں کہ دوسرے متون کے مرتبین جتنی نے کیا کیا ہے،

۱۔ کلیات دلی کا پہلا ایڈیشن احسن مابہروی نے ترتیب دیا تھا۔ دوسرے ایڈیشن کے مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن باغی ہیں۔ انھوں نے متن میں کچھ ترمیم و اضافہ کیا ہے اور احسن کا طویل مقدمہ خارج کر کے ایک مختصر مقدمہ لکھا ہے۔

ب۔ ڈاکٹر خلیق انجم اور گوپی چند ہارنگ نے عبدالحق کی "معراج العاشقین" کو اپنے مقدمے اور اپنے نام سے شائع کیا۔ خلیق انجم نے خواجہ بندہ نواز کی کچھ منظومات کا ضرور اضافہ کیا۔

ج۔ ضمیمہ انمولی نے عبدالحق کے "سب رس" کو اپنے مقدمے کے ساتھ شائع

کر کے اپنی ترتیب قرار دیا۔

د۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے عبدالباری آسی کی "کلیات میر"، مسج الزماں کے "مراثی میر" اور میری دریافت کردہ عین نئی شنوہوں کو شامل کر کے جیوں کا تیسرا جھاپ دیا۔

و۔ ڈاکٹر مسج الزماں نے مسعود حسن رضوی کی "اندازِ بھاء" کے متن کو اپنے مقدمے کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

ز۔ ذکی کاکوردی نے مسعود حسن رضوی کی مرتبہ "فسانہ عبرت" کو خلیفہ سی ترمیم کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

ح۔ ڈاکٹر عبدالستار دہلوی نے عبدالحق کی "رائی کنگلی کی کہانی" کو اپنے مقدمے کے ساتھ اپنے نام سے شائع کیا۔

ط۔ ہندی میں ڈاکٹر شری رام شرما نے "خطوطِ غالب" کی دو جلدیں چھاپی ہیں جن میں اردو متن جیوں کا تیسرا جھاپ ہے۔ جلد اول میں صیش پر شاہ کے نسخے کو ہو بہو نقل کر دیا ہے۔ حواشی صرف مشکل الفاظ کے معنی لکھتے تک محدود ہیں۔ دوسری جلد میں آفاق کی "مدرساتِ غالب" اور مولانا سرکی "خطوطِ غالب" سے استفادہ کیا ہے اور دونوں جلدوں پر مرقب کی حیثیت سے شری رام شرما کا نام ہے۔

ان سب حضرات نے پہلے مرقب کے متن میں کوئی معتدبہ تبدیلی نہیں کی بلکہ اکثر صورتوں میں کوئی تبدیلی کی ہی نہیں، صرف پہلے مرقب کا مقدمہ نکال کر اپنا مقدمہ لکھ دیا اور مرقب اول کا نام نکال دیا۔ کسی نے ان پر گرفت نہیں کی۔ مکتبہ ہامہ سے جو معیاری ادب سیریز میں نکالی گئی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، ان کے مرقب ایک دو قدسی ایڈیٹروں کی بنا پر متن ترتیب دیتے ہیں، چار صفحوں کا مقدمہ لکھتے ہیں۔ فرہنگ کوئی دیتا ہے، کوئی نہیں۔ بہر حال مرقب کا رتبہ ہر ایک حاصل کر لیتا ہے۔

اردو کی اس روایت کو دیکھتے ہوئے اگر ملک رام ایک مفصل مقدمہ لکھ دیتے اور صیش پر شاہ کا وہاچہ خارج کر کے مرقب کی حیثیت سے صرف اپنا نام لکھ دیتے تو بھی موردِ اعتراض نہ ہوتے۔ واضح ہو کہ مقدمہ لکھنا ضروری تھا۔ بصورتِ موجودہ بھی جو کچھ

انہوں نے کیا ہے۔ اس کی بنا پر وہ شریک مرتب قرار پاتے ہیں۔ میں نے "تحریک" میں ایک مراسلے میں تجویز کی تھی کہ انجمن کے ایڈیشن کے سرمدی پر نام یوں دیا جائے۔

مرتب، مسیش پرشاد

تصحیح و اضافہ از ملک رام ("تحریک"، فروری ۱۹۵۷ء، ص ۸)

اب میں ملک رام کے اضافوں کے تفصیلی جائزے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کٹ راگ کی کوئی ضرورت نہیں۔ سیدھا سادا "مرتبین، مسیش پرشاد و ملک رام" لکھنا چاہیے تھا۔

کیا مسیش پرشاد کا نام ملک رام کے ایما پر حذف کیا گیا؟ ۱۹۵۷ء کے اوائل میں یہ بحث درودوں پر تھی۔ میں نے انجمن ترقی اردو ہند کے اس وقت کے جنرل سیکرٹری پروفیسر سرور سے یہ سوال کیا تھا۔ انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس مضمون کی تحریر کے وقت پھر یہ سوال کیا۔ اب کی بار انہوں نے سری نگر سے جواب بھیجا جو مجھے ۲۶ ستمبر ۱۹۷۸ء کو ملا۔ اس میں لکھتے ہیں:

"آپ نے کسی بچے خلد میں ملک رام کے مرتبہ خطوطِ غالب کے سلسلے میں پوچھا۔ اب یہ یاد نہیں کہ ملک رام صاحب کو اس کا علم تھا یا نہیں، ان کا نام ان کے ایما پر دیا گیا تھا۔ انجمن کی روداد سے پتا چلے گا۔ میں نے دیباچے میں پوزیشن واضح کر دی تھی۔ "تحریک" میں میرا ایک خط بھی اس سلسلے میں چھپا تھا۔ بہر حال یہ احساس ہوتا ہے کہ مسیش پرشاد کا نام اور اس کے بعد ملک رام کا نام (اضافے اور تقریبی) کے حوالے کے ساتھ دینا چاہیے۔"

انہوں نے کھل کر کچھ نہیں بتایا لیکن ادھر شاہد بھٹی کی کتب "ملک رام" محقق اور دانشور" میں وضاحت کی ہے،

"انجمن ترقی اردو (ہند) سے اس کا دوسرا ایڈیشن جس میں ملک رام

صاحب نے خاصا اضافہ کیا تھا، جب شائع ہوا تو سرمدی پر مسیش پرشاد کا نام

نہ تھا، صرف میرے پیش لفظ میں اس کی طرف اشارہ تھا۔ دراصل ملک رام صاحب اس زمانے میں ہندوستان سے باہر تھے اور ستودھ جن صاحب کو چھپوانے کے لیے دہلی میں دیا گیا تھا، انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا اور جزل سیکرٹری کی حیثیت سے میں بھی اس مرتلے پر کام کی نگرانی نہ کر سکا۔ اس لیے یہ کوہنسی رہ گئی لیکن ملک رام صاحب کے کام کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے۔

(صدی زبان، ۱۰ مئی ۱۹۹۹ء، ص ۱۶)

ملک رام نے "ہماری زبان" میں سب کچھ صراحت کر دی اور اس کے بعد شے کا کوئی مقام نہیں رہ جاتا۔ میں ان کے بیان کے کسی لفظ پر شک کرنے کی کوئی ضرورت نہیں سمجھتا۔ وہ لکھتے ہیں کہ ۱۹۹۳ء میں جب انھوں نے پہلی بار یہ مطبوعہ ایڈیشن دیکھا تو ہمیش پر شاد کا نام نہ دیکھ کر سرور صاحب سے شکایت کی، اسکا "مرقب کی حیثیت سے میرا نام چھپا ہے۔ صحیح یہ ہونا کہ پہلے ہمیش پر شاد مرحوم کا نام ہونا اور ان کے بعد میرا مرقب نامی کی حیثیت سے۔" پھر وہ لکھتے ہیں:

"خطوط غالب کا جو ایڈیشن میرے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں جتنا اضافہ ہے اس کے پیش نظر یہ بالکل نئی کتاب ہے، لیکن چونکہ میں اسے صرف اپنے نام سے نہیں شائع کرنا چاہتا تھا اور غشی صاحب مرحوم کے کام کا احترام اپنا فرض خیال کرتا تھا، بالخصوص جبکہ ان کی کتاب کے حواشی بھی ساتھ شائع ہو رہے تھے، اس لیے صحیح بات یہ ہوتی کہ ان کا نام اول چھپتا اور میرا اس کے بعد۔ اگر ہاشر نے ایسا نہیں کیا تو یہ میری اجازت یا استصواب رائے سے نہیں ہوا اور یہ میرے غشا کے بھی خلاف ہے۔"

(خطوط غالب کی ترمیم نو، "ہماری زبان"، ۱۰ مارچ ۱۹۹۹ء)

اب ہم یہ نتیجہ نکلنے میں حق بجانب ہیں کہ ہمیش پر شاد کا نام حذف کرنے کا

فیصلہ صرف انجمن ترقی اردو کا تھا جس کا مالک رام کو علم بھی نہ تھا۔ اس فیصلے میں انجمن کی کوئی بد نیتی نہ تھی بلکہ یہ عدم اعتماد کا نتیجہ تھا۔ آخری شہادت انجمن کے موجودہ جنرل سیکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم کی ہے۔ غالب کے خطوط کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

”خطوط غالب کا دوسرا ایڈیشن انجمن ترقی اردو سے ۱۹۳۳ء میں شائع ہوا۔ اس وقت مالک رام صاحب ہندوستان سے باہر تھے۔ انجمن کی غلطی سے اس کتاب پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام صاحب کا نام چھپ گیا۔“

(جلد اول، ص ۳۰)

اعتراض ہے کہ اگر مالک رام سمیٹ پر شد کو اس کتاب کا مرقب تسلیم کرتے ہیں تو انھوں نے اپنی کتابوں مطابق لکھی رہا میں ”خطوط غالب مرتبہ مالک رام“ کے نام سے کیوں حوالہ دیا۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ انجمن کے ۱۹۳۳ء کے ایڈیشن کا حوالہ دے رہے ہیں جس پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام کا نام چھپا ہے۔ کیا ہر جگہ حوالہ دے رہے ہیں جس پر مرقب کی حیثیت سے مالک رام کا نام چھپا ہے۔ کیا ہر جگہ حوالہ دیتے وقت وہ یہ واسطیٰ دہرایا کرتے۔

”خطوط غالب مرتبہ سمیٹ پر شد، پشاور، پشاور انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۳۳ء۔ میرے

علم کے بغیر اس ایڈیشن پر مرقب کی حیثیت سے صرف میرا نام چھپ گیا ہے۔“
اگر معترضین کے اعتراض کے مطابق اس کتاب کا حوالہ ”خطوط غالب مرتبہ سمیٹ پر شد، ۱۰ انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء“ لکھ کر دیں تو کیا کسی قادی کی اس ایڈیشن تک رسائی ہو سکتی ہے؟ واضح ہو کہ مالک رام، سمیٹ پر شد کا نام شامل کرنے کے حق میں ہیں لیکن اپنا نام خارج کرنے کو نہیں سمجھتے۔ ستمبر ۱۹۴۷ء میں سرور صاحب کا بھی یہی ایمان تھا۔ ”ذکر غالب“ طبع مخم ۱۹۷۶ء میں مالک رام نے کتابیت میں اس کتاب کا نام لیا دیا ہے۔ ”خطوط غالب (مرتبہ سمیٹ پر شد) (مالک رام)۔ سرور قوی پریس کھنوا، ۱۹۳۳ء۔ (ص ۲۵۸)

میں لکھتا ہوں کہ یہ بھی غلط ہے، کیونکہ اس سے غلط فہمی ہوگی۔ فرض کیجئے، پاکستان

میں کوئی اجنبی قاری کسی لائبریری میں یہ ایڈیشن ڈھونڈنا چاہے تو صمیش پرشاد و مالک رام کے طے پلے ماحول کے ساتھ کوئی کتاب ملے گی ہی نہیں۔ "مالک رام" ایک مطالعہ اور "مالک نامہ" کے آخر میں شامل حبیبہ بیگم کی "توقیت مالک رام" میں ان کی جملہ تصانیف و تالیفات کی تفصیل ہے۔ اس میں "سرب کردہ کتابیں" کے تحت اس کتاب کا نام یوں ہے۔

"خطوط غالب (غشی صمیش پرشاد)، ۱۹۳۳ء، علی گڑھ۔"

میرا قیاس ہے کہ یہ فہرست مالک رام صاحب کو دکھائی گئی ہوگی، لیکن ۱۹۳۳ء میں صمیش پرشاد کے نام سے کوئی "خطوط غالب" نہیں ملتی۔ انجمن ترقی اردو ہند کے ۱۹۳۳ء کے "خطوط غالب" کے لیے "خطوط غالب مرتبہ مالک رام" کے سوا اور کسی طرح حوالہ نہیں دیا جاسکتا، وہ میں دلوں یا مالک رام۔ کتاب پر کیا لکھا ہونا چاہیے تھا غیر متعلق ہے۔ کتاب پر واقعی کیا لکھا ہے، لائبریری کی فہرست کے لیے صرف وہی اسم ہے۔ حوالہ انھیں الفاظ میں دیا جائے گا جن کے تحت کتاب لائبریری میں درج ہوگی۔

بہرحال اب ڈاکٹر طلیق انجم نے غالب کے خطوط کو جامعیت کے ساتھ چار جلدوں میں باحسن الوجہ مرتب کر کے ہمیں صمیش پرشاد اور مالک رام کے ایڈیشنوں سے جڑی حد تک بے نیاز کر دیا ہے۔

عیارِ غالب

مالک رام سے بھی تحقیقی رسالے "نحر" کے ایڈیٹر تھے۔ فردوسی ۱۹۳۹ء کے غالب نمبر کے لیے انھوں نے تقاضا کر کے بہت سے لوگوں سے معاینہ کھوائے۔ تمام معاینہ صرف اسی پرچے کے لیے کئے گئے۔ پہلے سے موجود معاینہ کو سرب کرنا آسان کام ہے، خاص طور سے نئے معاینہ لکھنا اور پھر ان کو ترتیب دینا زیادہ مشکل طلب ہے۔ میر نے طے کیا کہ اس شمارے کو کاپی صورت میں شائع کیا جائے۔ اس کا نام "عیارِ غالب" رکھا گیا۔ اس کے عین معاینہ کی مالک رام بطور خاص داد دیتے ہیں کیونکہ وہ عام لکھ سے ہٹ کر دوسرے انداز کے ہیں، وہ یہ ہیں،

غالب کی صحیح ترمیم و اصلاح سید محمد حسین رضوی

غالب ، ایک نفسیاتی مطالعہ ڈاکٹر نذیر ہاتھ رنگ

غالب کی بیماریاں اور مرض الموت ڈاکٹر ابلیل

اس میں مالک رام کے دو مضامین ہیں ، ۱۔ "توقیت غالب" ۲۰۰۱ء غالب شناسی ، جب اور اب "۔ ان کے بارے میں "فسانہ غالب" اور "گفتار غالب" کی "جس گفتار" کے سلسلے میں کچھ چکا ہوں۔

یاوگار غالب

کتبہ جامعہ دہلی "معیاری ادب سیرج" کے نام سے کلاسیکی کتابوں کے معیاری اور سیمی ایڈیشن چھاپتا ہے۔ مالک رام نے اس کے لیے "یاوگار غالب" مرقب کی۔ اس کے متن ، بالخصوص فارسی حصے کی تصحیح کا کام مشکل تھا ، لیکن مالک رام نے حیات غالب کے معتبر ایڈیشنوں کی بنا پر اس کا متن تیار کیا اور اس کے شروع میں حمد صفحوں کا ایک مقدمہ لکھا۔ یہ کتاب اگست ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کے اردو اور فارسی حصوں کو الگ الگ جلدوں میں چھاپا گیا ہے۔

"ارمظان مالک" جلد اول میں عرش ملیاتی نے مالک رام کی نگارشات کی جو

فہرست دی ہے ، اس میں "یاوگار غالب" کو مرتبات کے تحت نہیں ، محض "مقدمات" کے

تحت دیا ہے (ص ۱۹)۔ "مالک رام ایک مطالعہ" اور "مالک رام" کے آخر میں۔

حبیبہ بیگم کی تیار کردہ جو "توقیت مالک رام" دی ہے ، اس میں کتابوں کے نام بھی ہیں

ان میں مرقب کردہ کتابوں کے تحت بھی "یاوگار غالب" کا نام نہیں۔ میرا خیال ہے

کہ یہ فہرست مالک رام کے ایما پر تیار کی گئی ہوگی۔

حواشی

- (۱) وزیر اعلیٰ، صید چین (۱۹۶۹ء)، ص ۳۶۔ بحوالہ ڈاکٹر معین الرحمن، "قلم" کا علمی سرایہ، (۱۹۸۹ء)، ص ۲۳۳ حاشیہ۔
- (۲) بحوالہ معین الرحمن، "قلم" کا علمی سرایہ، ص ۳۳، ۵۵، نیز ذکر قلم طبع پنجم، ص ۱۷۵۔
- (۳) "نوائے ادب"، جنوری ۱۹۵۵ء، اپریل ۱۹۵۵ء، جولائی ۱۹۵۵ء، اکتوبر ۱۹۵۶ء۔ بحوالہ معین الرحمن۔
- (۴) سلطان احمد، "ترقی اردو بورڈ کا لغت اور مالک رام"، مضمون "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۱۷۵۔ ظاہر سلطان احمد آپ فرضی نام ہے۔ اصل مضمون نگار موسیٰ عالم ہے جسے اپنے نام سے لکھنے کی جرأت نہیں ہوئی۔
- (۵) "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۳۵۔
- (۶) "نسخہ عرشی طبع ممبئی سے متعلق کچھ معروضات"، "رموزِ قلم"، ۱۹۷۶ء، ص ۷۷۔
- (۷) "اردو تحقیق اور مالک رام"، ۶۷۔
- (۸) "گلِ رعنا"، ص ۷۷، مئی ۱۹۷۰ء۔
- (۹) مقدمہ "مکاتیبِ قلم"، ص ۱۵۳۔ بحوالہ "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۶۸۔
- (۱۰) مقدمہ "مکاتیبِ قلم"، ص ۲۲۹۔ بحوالہ "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۷۱۔
- (۱۱) "اردو تحقیق اور مالک رام"، ص ۷۰۔
- (۱۲) ایضاً، ص ۷۷۔
- (۱۳) ایضاً، ص ۷۷، سطر ۳۔
- (۱۴) "دیوانِ قلم"، آزاد کتاب گھر، ص ۳۔

(۱۵) = مخطوطات، تلاش، قرأت، ترتیب، "آج کل"، تحقیق نمبر، اگست ۱۹۷۶ء
 ص ۱۱۹۔

(۱۶) = اردو تحقیق پر ایک نظر، حقائق، ص ۲۰۸۔

(۱۷) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۸۳۔

(۱۸) = ایضاً، ص ۸۸۔

(۱۹) = نسخہ مرثیہ طبع نول، ص ۳۳۔

(۲۰) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۹۷۔

(۲۱) = تحقیق و تصحیح قرن کے مسائل، "مخوش"، ص ۱۸۸، مارچ ۱۹۳۳ء۔

(۲۲) = اردو تحقیق پر ایک نظر، ۱۰، نجم اسناد اردو جامعہ ہند کی کھنڈ کاغذ فرس کے

شعبہ تحقیق کا خطبہ صدارت، مخطوطہ حقائق، ص ۲۸۔

(۲۳) = اردو تحقیق اور ملک رام، ص ۸۷۔ "قاعدہ یہ ہے کہ تصحیح یا مرغ صورت

کو قرن کی جگہ دی جاتی ہے۔"

(۲۴) = مقدمہ، ص ۱۰، عبد الستار صدیقی، "خطوط غالب"، جلد اول

مرتبہ، ممبئی، شاہ، الم آباد، ۱۹۶۱ء۔

(۲۵) = خطوط غالب کی ترتیب نو، "از ملک رام"، ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء

ص ۷۔

(۲۶) = خطوط غالب، مرتبہ غلام رسول مر، تعارف، ص ۷، کتاب منزل، کشمیری بازار

لاہور، طبع دوم۔

(۲۷) = خطوط غالب، مرتبہ مر، ص ۲۳ کا مافیہ۔

(۲۸) = ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء ص ۱۔

(۲۹) = خطوط غالب کی ترتیب نو، "از ملک رام"، ہماری زبان، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء۔

(۳۰) = مکتبہ غالب، مرتبہ مولانا مرثیہ، قرن ص ۱۱۱، طبع نول، ۱۹۳۷ء۔

(۳۱) = شائع شدہ اردو لٹریچر، ۱۵، فروری ۱۹۷۵ء، "نیز"، تحریک، "مارچ ۱۹۷۵ء، "نیز"، کتاب اردو

تحقیق اور ملک رام، ۱۹۷۵ء، ص ۲۳۔

- (۳۲) = خطوطِ غالب کی ترتیب نو، " ہماری زبان "، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۱۔
- (۳۳) = تحریک " دسمبر ۱۹۷۳ء، نیز " اردو تحقیق اور مالک رام "، ص ۸۸۔
- (۳۴) ایضاً۔
- (۳۵) = خطوطِ غالب کی ترتیب نو " از مالک رام، ہماری زبان "، ۸۰، مارچ ۱۹۷۵ء، ص ۲۔
- (۳۶) = خطوطِ غالب کی ترتیب نو " از مالک رام، " ہماری زبان "، ص ۸۰، ۸۰۳۷، مارچ ۱۹۷۵ء۔

پانچواں باب مجموعی جائزہ

غالبیات کے باب میں ملک رام کے مریض و عمیق کاسوں کی یہ مختصر کہانی ہے جو گزشتہ اوراق میں سنائی گئی۔ اس سے ان کے کلاموں کا اندازہ تو ہو جاتا ہے لیکن یہ جائزہ ان کی مجموعوں کے واقعی مطالعے کا نعم البدل نہیں۔ کتنی بھی مصروفیت کے ساتھ دیکھا جائے، ملک رام کو چوٹی کے ماہرین غالبیات میں جگہ دینی ہو گی۔ یہ مسلم کہ غالب پر ان کی بعض کتابیں اور مضامین اعلیٰ معیار کے نہیں، لیکن کئی نگارشات بالیقین اس لائق ہیں کہ انھیں غالبیات کے منتخب کاسوں میں ایک نمایاں مقام دیا ہو گا۔

اردو میں غالب کی جملہ سوانح عمریوں میں اس وقت "ذکر غالب" طبع ختم سب سے زیادہ جامع اور معتبر ہے، گو اس میں بھی مزید اضافوں اور قدرے ترمیم کی ضرورت ہے۔ ان کے خُرد مقلدین کو صلائے عام ہے۔ "طلعت غالب" اپنے موضوع کی نہ صرف بہترین نمائندہ بلکہ واحد کتاب ہے۔ طبعِ اول کے تبصروں کی روشنی میں دوسرے ایڈیشن کو شاکردوں کا ایک مثالی بحرِ بحر بنا دیا گیا ہے۔ اس سے پہلے عام قاری غالب کے پانچ سو شاکردوں ہی کو جانتا تھا، یہ کسے معلوم تھا کہ غالب کے صد شاکر و تھے۔ میری حدودِ معلومت کی حد تک کسی دوسرے استادِ شاعر کے شاکردوں پر اس پایے کا یا اس سے سبک تر کام بھی نہیں کیا گیا۔ ملک رام نے غالب پر ہی دو مستقل کتابیں لکھیں اور دونوں اعلیٰ درجے کی ہیں۔

انھوں نے غالب پر معرکے کے متعدد مضامین لکھے۔ "فسادِ غالب" میں جو تحقیقات پیش کی گئی ہیں، کسی بھی غالب پسند کو ان سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں۔

میں نے دوسرے باب کے آخر میں ان کے چندہ منتخب مضامین کی فہرست دی ہے ان میں سے ذیل کے کچھ کو میں گل ہائے سرسبز کہوں گا۔

مرزا غالب (نماک)۔ میرزا یوسف۔ عبدالصمد، استاذ غالب۔ مقدمہ پنشن کا مرضی دعویٰ۔ سکے کا الزام اور اس کی حقیقت۔ نادر خطوط غالب پر ایک نظر۔ جہیز دیوان غالب نسخہ عرشی۔

”مرزا غالب کا مرقع“ اردو میں اپنی طرز کی بے نظیر و بے ہمت نگارش ہے۔ غلے کو تاریخی افسانے کے روپ میں پیش کرنا انھیں کی اختراع ہے۔ یہ صرف علمی تصویر نہیں، ایک طرح سے ان کی سوانح بھی ہے۔ مرزا یوسف کی باقاعدہ سوانح بانک رام ہی نے مرتب کی۔ عبدالصمد کے وجود کو مدلل طریقوں سے انھیں نے منوایا اور اس کے لیے انھوں نے قاضی عبدالودود جیسے محقق سے لہا لیا۔ ماہرین غائبیات کی اکثریت عبدالصمد کی قائل نظر آتی ہے۔ غالب کے مقدمہ پنشن کا مرضی دعویٰ انھوں نے لندن میں کھوج نکالا جس سے غالب کی سوانح اور پنشن کے قصے کے بارے میں میں خود مستطیحت کی زبان سے جملہ تفصیلات سامنے آگئیں۔

سکے کی حقیقت پر بانک رام کا مضمون ”معارف“ جنوری ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ اگر بانک رام یہ مضمون ایک صدی پہلے ۱۸۵۹ء میں لکھ دیتے تو غالب ان کی پرستش کرنے لگتے۔ غالب ۱۸۵۹ء کے نصف دوم میں کاسے گدائی لیے اپنے تمام دوستوں سے فریاد کرتے ہیں کہ اللہ بیٹے سکے کے معترف کا نام تلاش کر دو۔ اسی بدبخت سکے کی بدولت غالب کی پنشن اور اعزازات سوخت ہو گئے تھے۔ لعنت ہو گوری ہنکر جاسوس پر کہ وہ ادب، تحقیق کے طریق کار سے واقف نہ تھا اور شعر کا غلط احساں کر گیا۔ داحسہ بانک اس دور میں کوئی بانک رام جیسا محقق دستیاب نہ تھا۔ رسالہ مدانی کی دست بکری بلکہ کلاںکار ”نادر خطوط غالب“ کی نقلی کھولنا بھی بانک رام کی اہم تحقیقی تصنیف بنی جائے گی۔ نسخہ عرشی کے جہیز میں انھوں نے عرشی صاحب کی کئی غلط فہمیوں کا ازالہ کیا لیکن خود چند غلط فہمیوں پر ڈٹے رہے۔ ان کی درستی عرشی صاحب نے کی، ”کیا خوب سودا نقد ہے، اس ہاتھ سے اس ہاتھ لے“۔ غرض یہ کہ بانک رام کے

مطالعین میں جو بیش با معطیات لکھی چڑی ہیں، وہ کسی کتاب سے کم عیار نہیں۔
 ہدین میں دیوانِ غالب اعلیٰ پایے کا کام نہیں، گو یہ بھی ہے کہ دیوانِ غالب
 نسخہ عرشی سامنے نہ آجائے تو ہم لوگ مالک رام کے ایڈیشن ہی کی قدر کرتے۔ ایک لکیر
 کے نیچے اس سے بڑی لکیر سمجھ دی جائے تو پہلی لکیر خود بخود چھوٹی ہو جاتی ہے۔
 مہیش پر شاہ کے ”خطوطِ غالب“ میں انھوں نے جو اضافے اور ترمیمات کیں، ان کی
 اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن اس میں بستی کی مزید گنجائش تھی۔ واضح ہو کہ
 مالک رام نے قابلیت کے اپنے کام اس حالت میں کیے ہیں جب ان کا ایک پائوں ملک
 میں تو دوسرا بیرون ملک میں ہوتا تھا بلکہ زیادہ تر ممالک غیر ہی میں ہوتے تھے جوں نہ
 کوئی کتب خانہ میسر تھا، نہ تبادلہ خیالات کے لیے کتابوں کے مارف میسر تھے۔

ہدین غالب میں ان کا بستر کارنامہ ”گلِ رحمت“ ہے۔ انھیں یہ مخطوط جب ملا تھا
 جسکی ضائع کر دیتے تو ان کی دھوم مچ جاتی لیکن ان کے پائوں میں تو سنچر تھا۔ نمونے
 کے بعد ہی وہ پھر ملک سے باہر چلے گئے، لیکن انھوں نے اس بیش با مخطوطے کو
 اشاعت سے پہلے جس وسیع القبلی کے ساتھ عرشی صاحب کو دے دیا، اس کی دوسری
 نظیر نہیں ملے گی۔ عرشی صاحب نے مالک رام سے بہت پہلے اپنے دیوانِ غالب
 نسخہ عرشی میں اسے بیش کر دیا۔ مالک رام کے اس ایڈار کی اہمیت کسی نے نہیں پہچانی
 کسی نے داد نہیں دی۔

مالک رام نے جب اسے مرقب کیا تو اس پر سہ صفحوں کا سیر حاصل مقدمہ لکھا اور
 سہ صفحوں میں اختلافِ نسخ دیے۔ اس میں شامل فارسی مثنوی پر حواشی کا اتہار لگا دیا۔
 ہدین میں ان کا دوسرا شاہ کار غالب کے فارسی دیوان کی ترمیم تھی جسے انھوں نے
 نوادہ خلی نصیحتوں اور حیاتِ غالب کے دو مطبوعہ ایڈیشنوں کی مدد سے مرقب کیا تھا۔
 افسوس کہ اس کے بیچ کے کچھ اور ارق ضائع ہو جانے کی وجہ سے یہ دیوان منظرِ عام پر نہ
 آسکا۔ غالب کی ”سبدِ چین“ جیسی نایاب کتاب کو ترمیم نو اور اضافوں کے ساتھ پیش
 کرنا بھی اہم ادبی خدمت ہے، گو اس کے منہا پہے میں ترمیم اور اضافوں کی نشان دہی
 نہ کرنا ایک فروگزاشت ہے۔

واضح ہو کہ غالبیات ، قلم کار ملک رام کے ۴۰ فی صد ہی کو پیش کرتی ہے ۔ ان کی خاصہ فرسائی کا میدان بہت متنوع ہے ۔ وہ غالب کے علاوہ ابوالکلام آزاد کے بھی حارف ہیں ۔ ان کی ہدوین کے بہترین اور مثالی کام ابوالکلامیات ہی سے تعلق رکھتے ہیں ۔ ان میں اضافہ کیجیے ” کرمل کتھا “ جیسے مشکل متن کی ہدوین ۔ ان پر مستزاد ہے ان کی ” حکرہ نگاری جو ” طاغزہ غالب “ سے بڑھ کر ” حکرہ معاصرین “ اور ” حکرہ ماہ و سال “ تک پہنچتی ہے ۔ آخر الذکر دونوں حکرہوں میں غامبیاں ہیں ۔ اس کے باوجود ان میں جو مفید معلومات مل جاتی ہیں ، وہ دوسری جگہ نکالیں ۔ ان کا ایک میدان اختصاص اسلامیات ہے ۔ غیر مسلموں میں اس شعبے کا ان جیسا عالم دوسرا کوئی نہیں ۔ وہ عرب و عجم کی قدم نامیہ کے بھی حارف ہیں بالخصوص نامیہ اسلام کے ۔

اسی سال کی عمر میں کون تصنیف و تالیف کا کام کرتا ہے ۔ ملک رام دسمبر ۱۹۰۹ء میں پیدا ہوئے ۔ عمر کے لوہے وہے میں انھوں نے ذیلی کی کتابیں شائع کیں ۔ ان میں سے بعض کی تفصیل مجھے عبدالغنی دستغلی کے مضمون ” کچھ آج کل کے گوشہ ملک رام کے پاس میں “ (۴۰ ہماری زبان “ ۱۵۰ مئی ۱۹۹۳ء) سے معلوم ہوئی ۔

کتبہ جامعہ ، دہلی ، ۱۹۸۷ء

تفصیلی معاصرین

سابقہ اکادمی ، دہلی ، ۱۹۹۱ء

خطوبہ ابوالکلام آزاد

کتبہ جامعہ ، دہلی ، ۱۹۹۰ء

حکرہ ماہ و سال

ہرماضہ اردو اکادمی ، ۱۹۹۳ء

نثر ابوالکلام

کتبہ جامعہ ، دہلی ، دسمبر ۱۹۹۳ء

حمودانی اور ہادلی تہذیب و تمدن

یہ ضرور ہے کہ ان کتابوں کا مواد پہلے سے موجود ہو گا لیکن ان کی ترتیب و تہذیب تو بہر حال انھیں دنوں میں کرنی پڑی ہوگی ۔

اردو میں یادگاری اور مطالعوں کا جو اعلیٰ معیار ملک رام نے قائم کیا ہے ، اس کی بدولت وہ اردو کے سب سے باہر نذر گزار ہو گئے ہیں ۔ انھیں اس کے لیے یاد رکھا جائے گا ۔ ۲۸ سال کی عمر میں جب ان کی چنانی برائے نام رہ گئی تھی ، انھوں نے اپنے مستقل رفیق کار کو ” نذر خیر “ پیش کی ۔ ملک رام کی مرتبہ تھ مذروں میں سے عین

کا کچھ نہ کچھ رشہ غالبیت سے ہے۔ "نذرِ مرثی" ان کے ہم پایہ ماہرِ غالبیت کو دی گئی، "نذرِ مجاز"، "نقدِ غالب" اور "احوالِ غالب" کے مرثب کو، اور "نذرِ حمید" اس محترم ہستی کو جس نے غالب آکیزی کی تعمیر و تکمیل کی۔

جس شخص نے متواتر ۶۶ سال تک خامہ فرسائی کر کے اردو ادب کی اتنی دور رس خدمت کی، اس کی جس منظم طرح پر خلافت اور حقانیت کی گنتی، اسے دیکھ کر جی جلتا ہے۔ مثنوی معاین میں ایسا ظاہر کیا گیا جیسے مالک رام غفل مکتب تھے، جہل مطلق تھے۔ معترضین کو ان کے بارے میں ایک حرفِ حیرت کی توفیق نہ ہوئی۔ میں اس، بانوش گوار موضوع پر مزید لب کشائی نہ کروں گا، زمانہ بہترین منصف ہے۔ مجھے فی الوقت مالک رام کی غالب شناسی ہی سے قطع ہے۔ میری رائے میں مطالعہ غالب کے میدان میں ان کی تحقیقات، ان کی اولیات اور ان کے حقوق کا اعتراف نہ کرنا ان کے ساتھ ہی نہیں، مطالعہ ادب کے ساتھ بھی ناانصافی ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ غالبیت کے ادارے ان کی مناسب قدر شناسی کریں گے۔

غالب آکیزی اور غالب انسٹیٹیوٹ کی طرف سے ان کی خدمت میں سب سے بڑا خراجِ عقیدت یہ ہو گا کہ ان کے جہیہ معاین، مخطوطات اور مکتب کو مرثب کرا کے شائع کرا دیں۔ کلیاتِ غالب فارسی کے مستودے کا علائقی ماہر سے پورا کر کے چھاپ دینا چاہیے۔ شہر احمد فاروقی کے بقول انھوں نے ممدومینِ غالب کا تذکرہ بھی تیار کیا تھا۔ اگر اس کا مستودہ دستیاب ہو تو اسے بھی شائع کرنا چاہیے۔ ان کے اخطاف اور مقلدین کی طرف سے ان کی جناب میں سب سے اچھا ہدیہ اراوت یہ ہو گا کہ ان کی طرح نگن سے کام کرتے رہیں، اردو ادب کو ابھی کئی مالکِ راموں کی ضرورت ہے۔

کتابیات

اردو فارسی

الف۔ مالک رام کی تصانیف :

مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، دسمبر ۱۹۸۷ء	تختیا ، معاصرین
ادارۃ تصنیف و تالیف ، ٹکورو ، ۱۹۵۸ء	طالبہ غالب
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، ۱۹۸۳ء	ایضاً
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، طبع عظیم ، فروری ۱۹۸۶ء	ذکر غالب
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، فروری ۱۹۷۷ء	قسانہ غالب
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، ۱۹۸۵ء	گفتار غالب
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، طبع دوم ، جولائی ۱۹۷۶ء	رو صورتیں انہی

ب۔ مالک رام کی حدودِ ثابتِ غالبیات

انجمن ترقی اردو ہند ، علی گڑھ ، ۱۹۶۳ء	خلوہ غالب
(دراصل ۱۹۶۳ء)	
صد سالہ یادگار غالب کمیٹی ، دہلی ، فروری ۱۹۶۹ء	دخنیو
پندرہ نظریاتی ، آزاد کتاب گھر ، دہلی ، سہ طبع	دیوانِ غالب
ندارد۔ غالب طبع دوم ہے۔ طبع اول ۱۹۵۷ء	
میں آئی	
صد سالہ یادگار غالب کمیٹی ، دہلی ، فروری ۱۹۶۹ء	دیوانِ غالب
مکتبہ جامعہ ، دہلی ، ۱۹۶۳ء	سہ چین
علی مجلس ، دہلی ، فروری ۱۹۶۹ء	حیاتِ غالب
علی مجلس ، دہلی ، مئی ۱۹۷۰ء	گلِ رحمت
مکتبہ جامعہ ، نئی دہلی ، اگست ۱۹۷۰ء	یادگار غالب از حالی ، مرتبہ مالک رام

رج۔ تصانیف غالب کے ایڈیشن:

خلیق النہج، ڈاکٹر (مرقب) غالب کے خطوط، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، جلد اول، ۱۹۸۵ء
خلیق النہج، ڈاکٹر (مرقب) غالب کے خطوط، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، جلد دوم، ۱۹۸۷ء
رحنا، کللی داس گپتا (مرقب)، دیوان غالب، چوتھا ایڈیشن، نظامی پریس، کلکتہ، ۱۹۸۷ء
کلی ایڈیشن، بمبئی، ۱۹۸۷ء

رحنا، کللی داس گپتا (مرقب)، دیوان غالب کامل تاریخی ترتیب سے، ساکار، بھارت
بمبئی، ۱۵۰ فروری ۱۹۸۸ء

عرشی، امتیاز علی خاں (مرقب)، دیوان غالب نسخہ عرشی، انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
طبع اول، ۱۹۵۸ء

عرشی، امتیاز علی خاں (مرقب)، مکاتیب غالب، رام پور، طبع اول، ۱۹۵۷ء
غالب، دیوان غالب، چوتھا ایڈیشن، مطبع نظامی، کلکتہ، ۱۹۸۴ء، محکوم، جموں پور نیورسٹی
سر، مولانا غلام رسول (مرقب)، خطوط غالب، پار دوم، سندھ دارو، کتاب منزل
کشمیری بازار، لاہور (ظاہر طبع اول ۱۹۵۲ء و طبع سوم ۱۹۵۴ء کے بیچ)
مسیح پڑھا (مرقب)، خطوط غالب پہلی جلد، ۱۹۵۷ء، جلد دوسری، ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۰ء

د۔ دوسری کتابیں:

اعظمی ایم اے، شاہد (مستجاب) اردو تحقیق اور رائف رام، ادارہ تحقیق، دہلی، ۱۹۷۷ء
بھٹا چاریہ، شانتی رانجن، بنغال میں اردو زبان اور ادب چند تحقیقی مضامین، کھنڈ
۱۹۸۶ء، پتھری چندر، مرقع غالب، دہلی، ۱۹۸۶ء

حالی، یادگار غالب، غالب انسٹیٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء (طبع اول ۱۹۸۷ء کا عکس)

خاندی، ابو النصر محمد، تہذیب بھری و بھوسی، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی، ۱۹۳۹ء
رہیہ حسن خان، ادبی تحقیق مسائل اور تجزیہ، لکھنؤ کینٹرل پک پریس، علی گڑھ، ۱۹۷۸ء
رحنا، کللی داس گپتا، غالب کی بعض تصانیف کے بارے میں، ساکار، بھارت، بمبئی
دسمبر ۱۹۹۰ء

زیدی، کرگل، بشیر حسین (مرتب) : ناک نام ایک مطالعہ، مکتبہ جامعہ بنی دہلی جولائی ۱۹۸۶ء
 سحر، ڈاکٹر ابو محمد : غالبیات اور ہم، تحقیق کار، پبلشرز و دیپانٹج بنی دہلی، ۱۹۹۳ء
 قادری، شامہ : سلاش غالب، علمی مجلس، دہلی، مئی ۱۹۶۹ء
 کاظم علی خاں : خطوط غالب کا تحقیقی مطالعہ، کتاب گھر لکھنؤ، ۱۹۸۱ء
 گیان چند : ذکر و فکر، الہ آباد، ۱۹۸۰ء

گیان چند : رموز غالب، مکتبہ جامعہ بنی دہلی، ۱۹۸۶ء
 مختار الدین احمد، ڈاکٹر (مرتب) : احوال غالب، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی طبع دوم، ۱۹۸۶ء
 مختار الدین احمد، ڈاکٹر (مرتب) : تنقید غالب، انجمن ترقی اردو ہند، دہلی گڑھ، جون ۱۹۵۶ء
 معین الرحمن، ڈاکٹر سید : غالب کا علمی سرکاریہ، ایجوکیشنل بکس، ماروہ بازار، لاہور فروری ۱۹۸۹ء
 نارنگ، ڈاکٹر گوپی چند (مرتب) : ارمغان، ناک (۱) مجلس ارمغان، ناک بنی دہلی، ۱۹۷۱ء
 نجم الثانی : بحر انصاف، دریا چارام کماریک، ڈی پ، لکھنؤ ۱۹۵۷ء

نقوی، ڈاکٹر حنیف احمد، غالب احوال، آثار، نصرت، پبلشرز لکھنؤ، ۱۹۹۰ء
 ۔۔۔ سالوں کے مضامین جو مندرجہ بالا کتابوں اور مجموعوں میں نہیں آئے :
 ظلیق انجم، ڈاکٹر : غالب کے دو جعلی شاعر اور ایک بھی عربی، صحیفہ لاہور، غالب نمبر حصہ سوم،
 جولائی ۱۹۶۹ء

دستوی، مہداتوی : کچھ "آج کل" کے گوشہ ناک نام کے بارے میں، ہماری زبان سنائی ۱۹۹۳ء
 رضوی، محمد حسین : غالب کی صحیح تاریخ ولادت، اردو، کراچی، غالب نمبر (۱) ۱۹۶۹ء
 فیض "عیار غالب" دہلی، ۱۹۶۹ء

شارق، محمد مشتاق: مالک رام کے نام مکتوب، تحریر، دہلی، اکتوبر۔ دسمبر ۱۹۷۷ء
 عرش، مانتیا دہلی خاں، دیوان، غالب نمبر، عرشی، ہفتوش، نومبر ۱۹۶۳ء
 فائق، بکلب علی خاں: کچھ تادمہ، غالب کے بارے میں، اردو، کراچی، غالب نمبر، فروری، مارچ
 ۱۹۶۹ء

کاظم علی خاں: غالب کا قیام مکتبہ تحقیق کی روشنی میں، ہماری زبان، یکم مارچ ۱۹۸۰ء
 مالک رام، شہر، دیوان، غالب نمبر، عرشی، ہفتوش، نومبر ۱۹۶۳ء
 مالک رام، خطوط، غالب کی ترتیب نو، ہماری زبان، ۸۰ مارچ ۱۹۷۵ء
 مسلمان، بی: غالب کا زائچہ اور تاریخ ولادت، اردو نامہ، کراچی، شمارہ ۷۷، مارچ ۱۹۶۷ء
 مشفق خواجہ: غالب اور تادمہ، غالب تذکرہ، شیریں، اردو، کراچی، غالب نمبر، جنوری، مارچ ۱۹۶۹ء
 و۔ ہندی کتاب:

شرما، ڈاکٹر شری رام اور رام لہاس شرما (مترجم): غالب کے پتر، ہندوستانی اکیڈمی، لاہور، حصہ اول
 ۱۹۸۵ء

شرما، ڈاکٹر شری رام: غالب کے پتر، ہندوستانی اکیڈمی، لاہور، حصہ دوم، ۱۹۶۳ء
 و۔ انگریزی کتاب:

Malik Ram : Mirza Ghalib, National Book Trust of India
 (Dehli, 2nd edition, 1980)

ادارہ یادگار غالب

غالب لائبریری

دوسری چورنگی

نظم آباد

کراچی۔ ۷۳۶۰۰

عالم شناس مالک رام

ہمارے جن چند محققین نے عالم شناسی کو باقاعدہ ایک فن بنا دیا ہے ان میں مالک رام کا نام سر فہرست ہے۔ انھوں نے مقدار اور معیار دونوں کے اعتبار سے عالم پر اچھا کام کیا ہے۔ کتاب اس موضوع پر کوئی کام بھی ان کے حوالے ہو رہا ہے ان کی تحریروں سے استفادے کے بغیر عمل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ مالک رام کی عالم شناسی اردو تحقیق و تنقید کا ایک اہم موضوع ہے اور اس موضوع کا حق ادا کرنے کی ضرورت ہے۔

غوثی کی بات ہے کہ ہمارے عہد کے ایک بڑے محقق ڈاکٹر گیان چند نے (جو خود بھی عالم شناس ہیں) اس موضوع کو شایان القات سمجھا اور مالک رام کے عالم پر کاموں کے جائزے پر مشتمل زیر نظر کتاب لکھی۔ ڈاکٹر صاحب نے عالم سے متعلق مالک رام کی تصنیفات، مراجعت اور مطالعہ کا بڑی مشقہ نظر سے فرما کر واسطہ کیا ہے اور صرف ٹریس ہی کی نہیں، نتائج کی بھی نشان دہی کی ہے جس کی وجہ سے یہ کتاب بذات خود تحقیق و تنقید کا ایک عمدہ نمونہ بن گئی ہے۔ اس کتاب کی ایک ضمنی خوبی یہ بھی ہے کہ یہ حیات و تعلقات عالم سے متعلق بعض مفید مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔ اس وجہ سے بھی کتاب کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

ڈاکٹر وحید قریشی

